ماہنامہ

نقیبِ ختمِ نبوّت ملتان

۸ رجب ۱۴۲۸ھ اگست ۲۰۰۷ء

اے ارضِ وطن!

تجھ کو کتنوں کا لہو چاہیے اے ارضِ وطن!
جو ترے عارضِ بے رنگ کو گلنار کریں
کتنی آہوں سے کلیجہ ترا ٹھنڈا ہو گا
کتنے آنسو ترے صحراؤں کو گلزار کریں

تیرے ایوانوں میں پُرزے ہوئے پیماں کتنے
کتنے وعدے جو نہ آسودۂ اقرار ہوئے
کتنی آنکھوں کو نظر کھا گئی بدخواہوں کی
خواب کتنے تری شاہراہوں میں سنگسار ہوئے

بلاکشانِ محبت جو ہوا سو ہوا
جو مجھ پہ گزری مت اُس سے کہو، ہوا سو ہوا
مبادا ہو کوئی ظالم ترا گریباں گیر
لہو کے داغ تُو دامن سے دھو، ہوا سو ہوا

ہم تو مجبورِ وفا ہیں مگر اے جانِ جہاں
اپنے عشّاق سے ایسے بھی کوئی کرتا ہے
تیری محفل کو خدا رکھے ابد تک قائم
ہم تو مہماں ہیں گھڑی بھر کے، ہمارا کیا ہے

(فیض احمد فیضؔ)

نورِ ہدایت

القرآن

''اور جولوگ اللہ کی راہ میں مارے جائیں اُن کی نسبت یہ نہ کہنا کہ وہ مرے ہوئے ہیں (وہ مردہ نہیں) بلکہ زندہ ہیں لیکن تم نہیں جانتے اور ہم کسی قدر خوف اور بھوک اور مال اور جانوں اور میووں کے نقصان سے تمہاری آزمائش کریں گے تو صبر کرنے والوں کو (خدا کی خوشنودی کی) بشارت سنادو۔'' (البقرۃ:۱۵۴،۱۵۵)

الحدیث

''حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس مسلمان آدمی نے اللہ کی راہ میں اتنی دیر جہاد کیا جتنا کسی اونٹنی کو دوبارہ دوہنے کا وقفہ ہوتا ہے تو اس کے لیے جنت واجب ہوگی۔ اور جس کو اللہ کی راہ میں کوئی زخم لگا یا کوئی خراش آئی تو وہ قیامت کے روز اس حال میں آئے گا کہ وہ زخم یا خراش زیادہ سے زیادہ اس حالت میں ہوگی جس میں وہ تھی اس کا رنگ زعفران کا، اس کی مہک کستوری کی طرح ہوگی۔'' (ابوداؤد، ترمذی)

الآثار

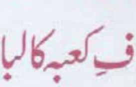

''میں نے پوری دنیا کی تاریخ اور حالات پر غور کیا ہے۔ مجھے تاریخ انسانیت میں خدا، رسول، امتِ رسول اور پوری دنیا کے سچے مسلمانوں کا فرنگی سے بڑھ کر اور اس سے بدتر کوئی دشمن نظر نہیں آیا۔ فرنگی یا اس کا کوئی دوست غلافِ کعبہ کا لباس پہن کر اور چوبیس گھنٹے زم زم سے وضو اور غسل کر کے، اگر میرے تخم میں سے ہو اور حلالی ہو تو قیامت تک اس پر اعتبار نہ کرنا۔ تم نہیں جانتے عدو اللہ، عدو الرسول، عدو االقرآن، عدو المسلمین اب ہے نہ آئندہ کبھی ہوگا۔''

بڑے فرزند سید ابوذر بخاریؒ کو نصیحت

بحوالہ ''صدائے حق'' ص ۴۲۳

ماہنامہ
نقیبِ ختمِ نبوت ملتان

جلد 18 شمارہ 8 رجب 1428ھ — اگست 2007ء

Regd.M.NO.32, I.S.S.N.1811-5411

بیاد ——
سید الاحرار حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ

بانی ——
ابن امیر شریعت سید عطاء المحسن بخاری رحمۃ اللہ علیہ

تشکیل

دل کی بات	سانحہ لال مسجد...... ہر دل اداس، ہر آنکھ نم	مدیر	2
دین و دانش:	درسِ حدیث	مولانا عبداللطیف مدنی	5
//	ام المومنین سیدہ سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا	مولانا سید ابوذر بخاری	9
//	امیر المومنین سیدنا عمرؓ کا مثالی اندازِ حکومت	مولانا مشتاق احمد	17
//	امیر المومنین سیدنا معاویہؓ، ڈکٹیٹر ایسے ہوتے ہیں؟	ماخوذ	21
الافتاء:	اسم معاویہ رضی اللہ عنہ، لغوی و معنوی تحقیق	حسین احمد	22
افکار:	ہم کب سوچیں گے؟	سید محمد معاویہ بخاری	24
//	یہ "رُت" کی رَت کب ختم ہوگی؟	پروفیسر خالد شبیر احمد	28
//	اب استعفٰی کون دے گا؟	سیف اللہ خالد	32
//	کون تھیں، کہاں چلی گئیں؟	ڈاکٹر شاہد مسعود	34
//	جگر لخت لخت	عبداللہ طارق سہیل	39
//	اسلامی اعتدال پسندی کا امریکی معیار	ذاکر اعظمی	42
شاعری:	حمد باری تعالیٰ	سید کاشف گیلانی	47
//	نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم	میجر (ر) سعید اختر	48
//	امیر شریعت رحمہ اللہ	ڈاکٹر ریاض مجید	50
شخصیت:	امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ	شورش کاشمیریؒ	51
طنز و مزاح:	زبان میری ہے بات اُن کی	ساغر اقبالی	54
حسن انتقاد:	تبصرۂ کتب	سید محمد کفیل بخاری	55
اخبار الاحرار:	مجلس احرار اسلام کی سرگرمیاں	ادارہ	58
ترحیم:	مسافرانِ آخرت	ادارہ	62

زیر سرپرستی ——
حضرت مولانا خواجہ خان محمد مدظلہ

ابن امیر شریعت حضرت پیر جی
سید عطاء المہیمن بخاری

مدیر مسئول ——
سید محمد کفیل بخاری

معاون مدیر ——
شیخ حبیب الرحمٰن بٹالوی

رفقاء فکر ——
پروفیسر خالد شبیر احمد
عبداللطیف خالد چیمہ، سید یونس الحسنی
مولانا محمد مغیرہ، محمد عمر فاروق

آرٹ ایڈیٹر ——
محمد الیاس میرانپوری
ilyas_miranpuri@yahoo.com
ilyasmiranpuri@gmail.com

سرکولیشن منیجر ——
محمد یوسف شاد

زرِ تعاون سالانہ
اندرون ملک —— 150 روپے
بیرون ملک —— 1500 روپے
فی شمارہ —— 15 روپے

ترسیل زر بنام: نقیب ختم نبوت
اکاؤنٹ نمبر 5278-1
یو بی ایل چوک مہربان ملتان

ای میل ایڈریس
majlisahrar@hotmail.com
majlisahrar@yahoo.com

تحریک تحفظ ختم نبوۃ شعبہ تبلیغ مجلس احرار اسلام پاکستان

مقام اشاعت: دار بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان ناشر: سید محمد کفیل بخاری طابع: تشکیل نو پرنٹرز

Dar-e-Bani Hashim, Mehrban Colony, Multan.(Pakistan)

رابطہ: دار بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان
☎061-4511961

دل کی بات　　　مدیر

سانحۂ لال مسجد

ہر دل اُداس، ہر آنکھ نم

شہنشاہِ معظم نے فرمان جاری کیا:

''لال مسجد والے باہر آجائیں، ورنہ سب مارے جائیں گے۔''

۹، ۱۰ رجولائی کی شب وفاق المدارس کے معزز علماء اور حکومتی وزراء لال مسجد کے ''ٹاکنگ پوائنٹ'' پر کھڑے غازی عبدالرشید سے مذاکرات کر رہے تھے۔ مذاکرات کامیاب ہوئے۔ غازی اور مذاکراتی ٹیم کے اتفاق سے معاہدے کی عبارت تحریر ہوئی۔ علماء نے سکھ کا سانس لیا کہ آگ ٹھنڈی ہوگئی۔ حتمی منظوری کے لیے تحریری معاہدہ ایوانِ صدر سے ہوکر واپس آیا تو سب کچھ بدلا ہوا تھا۔ جسے غازی نے ماننے سے انکار کر دیا کہ

سنا ہے اکبر نے اہل غیرت سے یہی
جینا ذلت سے تو مرنا بہتر ہے

علماء مایوس ہوکر واپس لوٹ گئے بلکہ انھیں واپس بھیج دیا گیا۔ اور پھر......

''آپریشن سائیلنس'' شروع ہوگیا۔ معصوم بچے اور بچیاں، جوانانِ گلگوں قباء ایک ایک کر کے جامِ شہادت نوش کرتے گئے اور خونی قبا زیب تن کرتے رہے۔ معصوم بیٹیاں، جن کے چہروں کو کسی نامحرم نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اُن کے سیاہ برقعے خون سے سرخ ہوکر کفن ہوگئے۔ انھوں نے جان دے دی مگر بے پردہ نہ ہوئیں:

یہ شہادت گہِ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

عوام پوچھتے ہیں:

جب مذاکراتی ٹیم نے پرامن حل نکال لیا تھا تو اُسے کس نے سبوتاژ کیا۔ غازی کو محفوظ راستہ دے دیا جاتا تو وہ پھر بھی حکومت کی نگرانی میں رہتے۔ حکمرانوں کا الزام تھا کہ اندر دہشت گرد ہیں، غیر ملکی جنگجو ہیں، بھاری اسلحے کے ذخائر ہیں، خودکش بمبار ہیں، بارہ خودکش بیلٹس ہیں، لیکن...... آپریشن مکمل ہوا تو کچھ بھی نہ ملا۔

پھر اسلحہ لاکر سجایا گیا اور میڈیا کے نمائندوں کو بلا کر دکھایا گیا

اعجاز الحق نے کہا کہ ہماری ایجنسیوں نے غلط رپورٹس دیں۔

پھر دو لاشوں کو غیر ملکی قرار دے کر اُن کی تصویریں اخبارات میں شائع کرائیں، اُن کے والدین روتے، سسکتے

اور بلبلاتے ہوئے اسلام آباد پہنچے کہ یہ تو ہمارے پیارے اور دلارے ہیں:

اک شہنشاہ نے ''طاقت'' کا سہارا لے کر
ہم غریبوں کی محبت کا اڑایا ہے مذاق

وزارت داخلہ نے کہا کہ کوئی غیر ملکی نہیں ملا۔

وزارتِ خارجہ نے کہا کہ آپریشن کسی غیر ملکی دباؤ پر نہیں کیا۔

اُسی روز امریکی صدر بش نے اپنے ہفتہ وار ریڈیو خطاب میں کہا:

''لال مسجد آپریشن امریکی مہم کا حصہ ہے۔''

عوام نوحہ کناں ہیں، پوری قوم اشکبار ہے

سفاک بش کے حکم پر
لال مسجد میں خوں بہایا گیا
بے گناہوں کی لاشوں کو تڑپایا گیا
کتنی ماؤں کے دلوں کو دکھایا گیا!
اے وطن کے روشن خیالو!
لال مسجد کو لال تم نے کیا
سب اصولوں کو پامال تم نے کیا
سب دلوں کو پُر ملال تم نے کیا

لال مسجد تو فتح ہوگئی، لال قلعہ کون فتح کرے گا؟

ایک ننھی بچی نے اپنے وصیت نامے میں لکھا:

''میری کتابوں اور میرے سامان کو میرے ابّی اور امی کے سوا کوئی ہاتھ نہ لگائے۔''

یہ اس معصوم و بے بس کی، ظالموں کے ظلم کے خلاف آخری صدائے احتجاج تھی۔

افواجِ پاکستان اور عوام کے درمیاں نفرت کی دیوار کھڑی کر دی گئی ہے۔ ملک خانہ جنگی کی حالت میں ہے۔ فوج اور پولیس پر حملے ہو رہے ہیں، فوج اور پولیس حملہ آوروں کو مار رہی ہے۔ امریکہ ہمارے سرحدی علاقوں پر حملے کی دھمکیاں دے رہا ہے۔ وہ پہلے بھی حملے کر چکا ہے۔ وہ اب بھی حملے کرے گا۔ پھر کیا ہوگا؟

میرے پاک وطن کا کیا ہوگا؟

علامہ عبدالرشید غازی شہید ہو چکے، وہ اپنے خاندان کی قربانی بھی دے چکے۔ اُن کا جرم تو صرف یہی تھا کہ:

ملک اسلام کے نام پر بنا

ملک میں شریعت نافذ کرو

فحاشی کے اڈے بند کرو

لیکن انھیں اس جرم پر بہت سخت سزا دی گئی۔ صرف انھیں نہیں بلکہ اُن کے پورے خاندان کو، جامعہ حفصہ کی معصوم، باحیا اور باپردہ بیٹیوں کو اور جامعہ فریدیہ کے پیارے بیٹوں کو۔ اب کہ...... جامعہ حفصہ کی زخمی زخمی عبارت زمین بوس ہو چکی ہے۔ اس کا ملبہ بھی اٹھا لیا گیا ہے۔ شہید بیٹیاں اور بیٹے اجتماعی قبروں میں ابدی زندگی سے لطف اندوز ہو رہے ہیں۔ قرآن پاک کے سینکڑوں نسخے گندے نالے میں گرے پڑے ہیں۔ بیٹیوں اور بیٹوں کے کٹے ہوئے اعضاء بھی اسی نالے میں خاموش فریادی ہیں۔

خوش رہو اہلِ وطن، ہم تو سفر کرتے ہیں

ہمیں ناحق قتل کیا گیا

ہمارے ہی ہم وطنوں، مسلمان بھائیوں نے

بارود کی بارش کی، گولیوں کی بوچھاڑ کی

امپورٹڈ امریکی کیمیکل بم برسائے

بموں نے آگ لگائی، شعلے بھڑکائے

اور ہم جل کر راکھ ہو گئے

دارِ فنا سے دارِ بقا کی طرف کوچ کر گئے

اور حیاتِ جاوداں پا گئے

جامعہ حفصہ تو نیست و نابود ہو گیا

لیکن یاد رکھو!

دین نہیں مٹے گا، دین زندہ رہے گا اور ہمیشہ زندہ رہے گا

لال مسجد میں نئے خطیب کی تقرری ہو چکی ہے۔ کیا ملک میں امن قائم ہو گیا؟ کیا ملکی سلامتی اور ملکی اثاثے محفوظ ہو گئے؟ کیا عام شہری دہشت گردی سے محفوظ ہو گیا ہے؟ لال مسجد تو تاریخ میں امر ہو گئی ہے۔ عفت مآب شہید بیٹیاں اور بیٹے ہمیشہ یاد رہیں گے۔ انھیں کبھی نہیں بھلایا جائے گا۔ شہید غازی کی قبر سے خوشبو آ رہی ہے:

بات کرنے کی ادا ہوتی ہے
نکہتِ گل بھی صدا ہوتی ہے

شہید غازی کہہ رہے ہیں کہ......

اک ذرا صبر کہ فریاد کے دن تھوڑے ہیں
لیکن اب ظلم کی میعاد کے دن تھوڑے ہیں

مولانا عبداللطیف مدنی
استاذ الحدیث جامعہ عربیہ چنیوٹ

(درسِ حدیث)

اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر قائم ہے

باب ماجاء بنی الاسلام علی خمس

(اس بات کا بیان کہ اسلام کی عمارت پانچ چیزوں پر اٹھائی گئی ہے)

حدیث: **عن ابن عمر قال: قال رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم : بنی الاسلام علٰی خمس شھادۃ ان لاالہ الا اللّٰہ وان محمد رسول اللّٰہ واقام الصلوٰۃ وایتاء الزکوٰۃ وصوم رمضان وحج البیت وفی الباب عن جریر بن عبداللّٰہ ھٰذا حدیث حسن صحیح وقد روی من غیر وجہ عن ابن عمر عن النبی صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم نحو ھٰذا وسعیر بن الخمس ثقۃ عند اھل الحدیث** (جامع ترمذی ۵۴۲/۲۔ حدیث نمبر ۲۶۰۹، کتاب الایمان)

ترجمہ:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اسلام کی عمارت پانچ چیزوں پر اٹھائی گئی ہے (۱) اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ تعالیٰ کہ سوا کوئی معبود نہیں ہے اور یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں (۲) اور نماز پابندی سے ادا کرنا (۳) زکوٰۃ دینا (۴) حج کرنا (۵) اور رمضان المبارک کے روزے رکھنا۔

تشریح:

علماء کرام نے فرمایا ہے کہ حرف ''علی' مِنْ کے معنی میں ہے یعنی ''بنی الاسلام من خمس' اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں سے ہے اس صورت میں اسلام اوران پانچ چیزوں کے غیر' غیر ہونے کا اشکال ختم ہوجاتا ہے۔

اس حدیث میں اسلام کو ایک خیمہ کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جو پانچ ستونوں پر قائم ہے۔ ایک قطب یعنی درمیان والا مضبوط ستون اور اردگرد چاروں طرف اوتاد (کھونٹے) جنہیں رسیوں سے کھڑا کر دیا جاتا ہے۔ شہادت تو بمنزلہ قطب کے ہے اور دوسرے چاروں بمنزلہ اوتاد (کھونٹوں) کے ہیں اگر ان میں سے کوئی نہ رہے تو وہ جگہ ناقص رہے گی اور اگر قطب (درمیان والا ستون) ہی گر جائے تو خیمہ ہی باقی نہ رہے گا۔

اسی طرح شہادت نہ رہی تو ایمان ہی نہ رہے گا اور خیمہ جس طرح گرمی سردی، بارش وغیرہ دنیوی آفات و مصائب سے حفاظت کرتا ہے اسی طرح اسلام آخروی آفات وبلایا سے محفوظ رکھتا ہے۔ پھر یاد رہے کہ ان پانچ ارکان میں حصر مقصود نہیں، ارکان اسلام تو اور بھی ہیں ان کی تخصیص صرف اہم اور مشہور ہونے کی وجہ سے ہے اور ان پانچ چیزوں کا بنیاد اسلام ہونے کا مطلب یہ ہے کہ یہ اسلام کے بنیادی فرائض ہیں جن پر اچھی طرح عمل کرنے سے باقی ارکان واحکام پر عمل کرنا آسان ہوجاتا ہے۔

عبادات اربعہ کی وضاحت:

اللہ رب العزت حاکم مطلق اور احکم الحاکمین ہیں اور ہم اس کے بندے اور محکوم ہیں اور اللہ سبحانہ کی دوشانیں ہیں۔شانِ جلال اور شانِ جمال' بعض عبادات شانِ جلال کی مظہر ہیں اور بعض شانِ جمال کی۔نماز اور زکوٰۃ شانِ حاکمانہ کی مظہر ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کا جلال نمایاں ہوتا ہے۔چنانچہ ''اذان'' دربار شاہی کھلنے کا اعلان ہے۔دربار میں حاضری کے لیے لباس کی نظافت اور بدن کی طہارت کا اہتمام کیا جاتا ہے۔اور عمدہ لباس کا انتخاب ہوتا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

خذوا زینتکم عند کل مسجد (الاعراف)

تم مسجد میں حاضری کے وقت اپنا لباس پہن لیا کرو اور دربار کی طرف سکون اور وقار کے ساتھ جایا جاتا ہے دوڑتے ہوئے نہیں جاتے۔حاکم کی مجلس خاص میں حاضر ہونے سے پہلے کچھ وقت انتظا کرنا ہوتا ہے اس لیے نماز میں مناسب یہ ہے کہ جماعت شروع ہونے سے (قبل) کچھ دیر پہلے مسجد میں پہنچ کر انتظار کرے اس کے بعد اللہ اکبر کہتا ہوا ہاتھوں کے اشارے سے ماسوا اللہ کو پس پشت ڈال کر بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہو جاتا ہے اسی کا نام ''تکبیر تحریمہ'' ہے۔حاکم کے دربار میں پہنچ کر لوگ سب سے پہلے سلام وآداب بجالاتے ہیں۔اس لیے حکم ہے کہ نماز شروع کرتے ہی امام اور سب مقتدی **سبحانک اللھم** الخ پڑھیں اس کے بعد ایک نمائندہ سب حاضرین کی طرف سے درخواست پیش کرتا ہے جس کا مضمون بھی اللہ تعالیٰ نے سورۃ فاتحہ کے ضمن میں خود سکھلا دیا اس لیے اس کا نام ''تعلیم المسئلہ'' بھی ہے جسے صرف جماعت کا نمائندہ یعنی امام ہی پڑھتا ہے اس کے بعد سب مقتدی ''آمین'' کہہ کر امام کی پیش کردہ درخواست کی تائید وتصدیق کرتے ہیں۔

فاتحہ کے جملوں پر دادِ الٰہی:

اس درخواست کے ہر جملہ پر اللہ رب العزت کی طرف سے داد بھی دی جاتی ہے چنانچہ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ رسول اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کا فرمان نقل کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قسمت الصلوۃ بینی وبین عبدی نصفین ولعبدی ماسأل الخ

ترجمہ: ''میں نے اپنے اور اپنے بندے کے درمیان نماز تقسیم کردی ہے اور میرا بندہ جو مانگتا ہے' وہ ملتا ہے تو جب بندہ **الحمدللّٰہ رب العالمین** کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے نے میری تعریف کی اور جب بندہ ''**الرحمن الرحیم**'' کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے نے میری توصیف کی اور جب بندہ ''**مالک یوم الدین**'' کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے نے میری بزرگی بیان کی۔

اور جب میرا بندہ ''**ایاک نعبد وایاک نستعین**'' کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان آدھی،آدھی تقسیم ہے اور میرا بندہ جو مانگے وہ ملے گا اور جب بندہ کہتا ہے ''**اھدنا الصراط المستقیم**'' الایۃ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ سب میرے بندے کے لیے ہے اور میرا بندہ جو مانگے گا وہ ملے گا۔(مسلم شریف،۱/۱۶۹)

اس سے معلوم ہوا کہ سورۃ فاتحہ کی ہر آیت پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے داد دی جاتی ہے۔حدیث سے بھی ثابت

ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سورۃ فاتحہ کی ہر آیت پر وقف فرماتے تھے۔ اس لیے ہمیں بھی چاہیے کہ سورۃ فاتحہ کی ہر آیت پر وقف کریں اور تصور کریں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو سن لیا اور جواب دیا۔ اس غرض سے وقف کرنے پر حافظ ابن قیمؒ اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے تنبیہ فرمائی ہے۔ اس کے بعد سب مقتدی ''آمین'' کہہ کر امام کی پیش کردہ درخواست کی تائید اور تصدیق کرتے ہیں۔

اس دعاء و درخواست کے جواب میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بواسطہ امام قرآن مجید کا کچھ حصہ پڑھ کر سنا دیا جاتا ہے کہ تم نے ''اهدنا الصراط المستقیم'' میں جو ہدایت طلب کی ہے اس کے جواب میں ہم تمھیں یہ کتاب دیتے ہیں جو متقی اور پرہیزگاروں کے لیے ہدایت ہے۔ نماز میں یہاں تک تو صرف زبان سے حمد وثنا تھی۔ اس کے بعد اعضاء سے بھی آداب بجالانے کے لیے رکوع میں جھک جاتا ہے۔ پھر امام ''سمع الله لمن حمده'' کہہ کر یہ خوشخبری دیتا ہے کہ آپ کی قولی و فعلی حمد قبول ہوگئی۔ اس بشارت پر شکر کے طور پر تمام مقتدی ''ربنا لک الحمد'' کہہ کر اور زیادہ حمد کرتے ہیں۔ پھر ''احکم الحاکمین'' کے سامنے انتہائی عاجزی ظاہر کرنے کے لیے ''اشرف الاعضاء'' یعنی چہرہ خاک میں ملا دیتا ہے اور دوبارہ سجدہ کر کے یہ ظاہر کرتا ہے کہ شانِ جلال و جمال دونوں پر مرمٹنے کے لیے تیار ہے۔

زکوٰۃ:

نماز پڑھ کر اپنے غلام و فرماں بردار ہونے کا اقرار و اظہار کر دیا کہ میں آپ ہی کا فرماں بردار غلام ہوں اور آپ احکم الحاکمین ہیں۔ میں فرماں بردار محکوم ہوں اور آپ کی ہی حکومت میں بس رہا ہوں اور ہر حکومت کی طرف سے اپنی رعایا پر محصول مقرر کیا جاتا ہے۔ تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ ہماری رعایا جان و مال دونوں سے حاضر ہے۔ اس لیے اللہ رب العزت نے اپنی حاکمانہ شان سے زکوٰۃ کو فرض کر دیا اور حکم دیا کہ ہمارے دیئے ہوئے مال سے زکوٰۃ ادا کرو اور بندہ زکوٰۃ ادا کر کے یہ ثابت کرتا ہے کہ ہم مال سے بھی اسی طرح حاضر ہیں جیسے ہم اپنی جان سے حاضر ہیں۔ غرضیکہ نماز و زکوٰۃ شانِ حاکمانہ یعنی شانِ جلال کی مظہر ہیں۔ اور روزہ و حج شانِ محبوبیت یعنی شانِ جمال کے مظہر ہیں۔

روزہ:

روزہ میں اللہ تعالیٰ کے ماسوا کو ترک کرنا ہے تین ہی چیزیں ایسی ہیں کہ جن کو چھوڑ دینے کے بعد انسان کو کسی چیز کی حاجت و ضرورت نہیں رہتی اور وہ تینوں چیزیں کھانا، پینا اور مباشرت ہیں جنہیں چھوڑ دینے کا نام روزہ ہے بشرطیکہ حکم الٰہی کی بجا آوری کی نیت ہو۔

حج:

مخصوص زبان میں مخصوص مکان کی مخصوص طریق سے زیارت کا نام حج ہے۔ بندہ روزہ و حج (ان دونوں) کو ادا کر کے اپنی محبانہ اور عاشقانہ شان ظاہر کرتا ہے اس لیے کہ یہ اصول ہے کہ جب کوئی شخص کسی پر عاشق ہوتا ہے تو عشق کی پہلی منزل یہ ہوتی ہے کہ اس کا کھانا اور رات کی نیند حرام ہو جاتی ہے پھر دوسری منزل یہ آتی ہے کہ عاشق صادق ہر چیز سے

قطع تعلق کر کے تنہائی میں بیٹھ کر محبوب کے تصور میں ہمہ تن مشغول رہتا ہے ؎

جی ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت' کہ رات دن
بیٹھے رہیں تصورِ جاناں کیے ہوئے

پھر تیسرا مقام یہ آتا ہے کہ جب تنہائی میں محبوب کا تصور کرتے کرتے اس کی محبت رگ وپے میں سرایت کر جاتی ہے تو پھر عشق صادق خلوت وتنہائی کو بھی چھوڑ کر محبوب کے گھر کا راستہ لیتا ہے اس کے گھر کا طواف کرتا ہے اور در ودیوار کو بوسہ دیتا ہے اور عشق کا آخری مرحلہ یہ ہے کہ عاشق اپنی جان کا نذرانہ محبوب کے پاؤں میں رکھ کر قربان ہو جائے جیسے پروانہ، جو شمع کا مجازی عاشق ہے وہ شمع کے گرد چند بار طواف اور چکر لگا کر بالآخر اپنی جان قربان کر دیتا ہے۔

کارِ عاشق خونِ خود بر پائے جاناں ریختن

تو حاجی بھی اپنے آپ کو قربانی کے لیے پیش کر دیتا ہے مگر محبوب حقیقی کی طرف سے آواز آتی ہے کہ:

لا تقتلوا انفسکم (تم اپنے آپ کو قتل مت کرو)

اپنی جان کے بدلے اپنے کسی محبوب جانور دنبہ، بکرا، گائے اور اونٹ کو ذبح کردو۔ یہ تمہاری جان کا بدلہ ہے جو ہم تمہاری قربانی کی بجائے قبول ومنظور کر لیتے ہیں۔

عبادات اربعہ کا باہمی ربط:

یہ بنیادی عبادتیں باہم مربوط ہیں کہ نماز اور زکوٰۃ اس کی شانِ عظمت وجلال کا تقاضا ہے۔ روزہ اور حج سراسر محبوب کے جلوۂ حسن وجمال کا مظہر اور اس کے فضل وکمال کا آئینہ دار ہے۔ اس لحاظ سے اسلام کی ان اساسی عبادتوں میں گہرا تعلق اور ربط ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اپنے جلال وجمال کا صحیح احساس اور اپنی بندگی وغلامی کی کامل توفیق عنایت فرمائے۔ آمین

☆☆☆

جانشینِ امیر شریعت سید ابوذر بخاری رحمتہ اللہ علیہ

اُم المومنین سیدہ سودہ بنتِ زمعہ سلام اللہ ورضوانہ علیہا

خاندان اور شجرہ:

سیدہ سودہ سلام اللہ علیہا کا شجرہ نسب تو لُویّ ابنِ غالب پر پہنچ کر تین واسطے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تیسرے دادا عبدِ مناف کے ساتھ مل جاتا ہے۔ سیدہ سودہ بنتِ زمعہ ابنِ قیس ابنِ عبدِ شمس ابن عبدُ ودّ ابن نصر ابنِ مالک ابن حِسْلِ ابن عامر ابن لوی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری زوجۂ مطہرہ ہیں۔ آں مخدومہ کی والدہ کا نام شَمُوس بنتِ قیس ابن عمرو ابن زید ابن لبید ابن خداش ابن عامر ابنِ غنم ابن عدیّ ابن النجار ہے۔ صحیح قول کے مطابق سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کا نکاح ہوا۔ چونکہ سیدہ سودہ اور سیدہ عائشہ کے نکاح کا وقت قریب قریب ہے۔ اس لیے علماء سیر کا اس میں اختلاف ہے لیکن صحیح یہی ہے کہ سیدہ سودہ کا نکاح پہلے ہوا اور آپ کا مَہر چار سو درہم قرار پایا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ان کا نکاح حضرت سکران ابن عمرو ابنِ عبدِ شمس ابن عبدُ ودّ رضی اللہ عنہ سے ہوا جو حضرت سُہَیل و سُہَیل، سُلَیط اور حاطِب کے بھائی ہیں جو تمام کے تمام صحابی تھے۔ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا اور ان کے شوہر ابتداءِ نبوت میں ہی اسلام لے آئے تھے۔ اس بناء پر ان کو قدیم الاسلام ہونے کا شرف حاصل ہے۔ حبشہ کی پہلی ہجرت تک یہ دونوں میاں بیوی مکہ میں رہے مگر جب کفارِ مکہ کی طرف سے مظالم بڑھے تو دوسری ہجرت حبشہ کے موقع پر یہ بھی مہاجرین میں شریک تھے۔ حبشہ سے مکہ واپسی ہوئی تو چند روز زندہ رہ کر حضرت سکران انتقال کر گئے۔ ان سے ایک لڑکے عبدالرحمٰن پیدا ہوئے جو بڑے ہو کر مشرف بہ اسلام ہوئے اور دورِ خلافتِ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جنگِ جلُولآء میں شہید ہو گئے۔

نبی علیہ السلام سے نکاح

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد غمگین و پریشان رہتے تھے۔ اسی بناء پر حضرت خولہ بنتِ حکیم رضی اللہ عنہا آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا ''یارسول اللہ! آپ کو خدیجہ کے نہ ہونے کی وجہ سے پریشان دیکھتی ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ ''ہاں! بال بچوں کی پرورش اور گھر کا انتظام اسی سے متعلق تھا۔'' حضرت خولہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ ''میں آپ کے لیے کہیں پیغامِ نکاح نہ دوں؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''مناسب ہے، عورتیں اس معاملہ میں زیادہ موزوں ہیں'' پھر آپ نے پوچھا کہ ''کس جگہ پیام دینے کا کیا خیال ہے؟'' حضرت خولہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ ''اگر کنواری سے نکاح کرنا چاہیں تو آپ پوری دنیا سے زیادہ اپنے محبوب شخص (حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہا) کی لڑکی عائشہ (رضی اللہ عنہا) سے نکاح فرمالیں اور اگر بیوہ سے چاہیں تو سودہ بنتِ زمعہ (رضی اللہ عنہا) موجود ہے۔'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''دونوں جگہ پیام دے دو!'' حضرت خولہ اولاً سیدہ سودہ کے پاس گئیں اور انھیں کہا کہ ''رسول للہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے آپ کے لیے پیامِ نکاح دے کر بھیجا ہے۔'' سیدہ سودہ نے جواب دیا کہ ''مجھ کو عذر نہیں ہے لیکن میرے باپ سے اس کا تذکرہ کرلو اور وحشت دور کرنے کے لیے جاہلیت کے طریقہ پر ان کو سلام کرنا!'' چنانچہ حضرت خولہ خود کہتی ہیں کہ ''میں نے ان کے باپ کے پاس پہنچ کر جاہلیت کے طریقہ پر ''اَنْعِمْ صَبَاحاً'' (چچا صبح بخیر) کہا۔ انھوں نے پوچھا کون ہو؟

میں نے کہا خولہ ہوں۔انھوں نے مرحبا کہہ کر آنے کی وجہ دریافت کی تو میں نے کہا کہ میں آپ کی بیٹی کے لیے محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب کا پیغامِ نکاح لے کر آئی ہوں۔انھوں نے سن کر کہا کہ ہاں بے شک وہ شریف کُفُو ہے لیکن سودہ سے بھی دریافت کرلو۔غرض سب مراحل طے ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر پر خود تشریف لائے اور سیدہ سودہ کے والد نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سودہ کا نکاح پڑھایا۔بعض روایات میں ہے کہ سیدہ سودہ نے اپنے پہلے شوہر کی زندگی میں ایک خواب دیکھ کر شوہر سے بیان کیا تو بولے "شاید میری موت قریب ہے اور تمہارا نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوگا۔" چنانچہ یہ خواب حرف بہ حرف پورا ثابت ہوا۔حضور علیہ السلام سے نکاح کے وقت تک سیدہ سودہ کے بھائی عبداللہ بن زمعہ اسلام نہیں لائے تھے۔جب ان کو اس نکاح کا علم ہوا تو افسوس اور غم وغصہ سے اپنے سر پر خاک ڈال لی کہ "کیا غضب ہوگیا" جب مشرف بہ اسلام ہوئے تو اس حرکت پر بہت نادم ہوئے اور جب کبھی اس کا خیال آتا تو کہتے کہ "اس دن میں بڑا ہی نادان تھا جس دن میں نے اپنے سر پر اس وجہ سے خاک ڈالی کہ حضور علیہ السلام نے میری بہن سے نکاح کرلیا ہے۔" نکاح کا سن ۵۰ میلادالنبی اور ۱۰ نبوی ہے۔حضور علیہ السلام کی عمر مبارک اس وقت پچاس سال تھی اور سیدہ سودہ کی عمر بھی پچاس سال تھی۔نبوت کے تیرہویں سال جب آپ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو اپنے سابق متبنیٰ اور محبوب ومعتمد ترین آزاد کردہ غلام اور فداء کار صحابی حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو مکہ بھیجا کہ سیدہ سودہ وغیرہ کو لے آئیں۔چنانچہ سیدہ سودہ اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہما حضرت زید رضی اللہ عنہ کے ہمراہ مدینہ میں آئیں۔

عَربی قریشی طبیعت ومزاج اور حمیت وغیرت:

ان کے والد کے عم زاد بھائی ابویزید سُہیل بن عَمرو جو رشتہ میں جنابِ سیدہ کے چچا تھے۔حالتِ کفر میں غزوۂ بدر کے موقع پر کفارِ قریش کے لشکر میں شامل ہوکر حضور علیہ السلام کے مقابلہ میں آئے اور انجام کار گرفتار ہوکر دوسرے جنگی قیدیوں کے ہمراہ مدینہ منورہ لائے گئے تو جنابِ سیدہ کے ساتھ ان کے خصوصی خاندانی قرب وتعلق کی بناء پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ابو یزید سہیل کو رسیوں سے جکڑے ہونے کی حالت میں بھی کسی مروّج جیل میں نہیں رکھا بلکہ ام المؤمنین سیدہ سودہ سلام اللہ علیہا کے لیے مختص حجرہ میں ہی ان کو ٹھہرائے رکھا۔سیدہ سودہ قیدیانِ بدر کی آمد سے پہلے اتفاقاً مشہور صحابیہ سیدہ عَفراء رضی اللہ عنہا کے محلّہ اور گھر میں بہ غرض ملاقات وغیرہ تشریف لے جاکر ٹھہری ہوئی تھیں کہ اتنے میں حضور علیہ السلام غزوۂ بدر میں فاتح اور کامیاب وبامراد ہوکر لشکرِ صحابہ رضی اللہ عنہم سمیت واپس تشریف لے آئے۔جناب سیدہ سودہ کو اطلاع ہوئی تو آلِ عَفراء کے محلّہ سے اپنے گھر (حجرہ) کی طرف واپس آگئیں تو دیکھا کہ جنگی قیدی کی حیثیت سے ان کے رشتہ کے چچا ابویزید سہیل بن عَمرو عبشمی کے دونوں ہاتھ گردن کی طرف موڑ کر رسّی سے بندھے ہوئے ہیں اور حضور علیہ السلام کے فرمان کے مطابق مختلف صحابہ رضی اللہ عنہم کے گھروں میں تقسیم کرکے رکھے گئے قیدیوں کی طرح ابویزید سُہیل کو جنابِ ام المؤمنین سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کے عزیز وقریب کے طور پر انھی کے حجرہ میں لاکر رکھا گیا ہے۔چوں کہ سیدہ سودہ نے ان کو اچانک اور خلافِ توقع اور اس شرم ناک، ذلت آمیز اور اذیت ناک حالت میں دیکھا تو شدتِ تأثر میں حضور علیہ السلام کی خدمت میں سلام ودعاء عرض کرنے کے بعد آپ سے ہی کوئی گفتگو کرنے کی جگہ اپنے قومی اور خاندانی غیرت وحمیت کے جوش میں بلا تاخیر وتکلف اپنے اس وقت تک کے کافر اور قیدی چچا سے ہی مخاطب ہوگئیں۔

۲......اس تفصیل سے یہ بات روزِ روشن کی طرح بالکل واضح اور یقینی ہوجاتی ہے کہ سیدہ سودہ کی ذاتِ گرامی میں عرب اور قریش کی حمیت وغیرت اور شجاعت کا وصف فطرت وطبیعت کے طور پر ودیعت اور پیوست تھا جس کے اثر سے آپ نے اپنے اس وقت تک کے کافر قیدی چچا کو بے دھڑک زجر وتوبیخ کرتے ہوئے قرشیت اور غیرت وشجاعت کا اظہار کر کے بہادروں کی طرح نہ مرجانے پر طعنہ دیا۔ نیز غلام اور قیدی بن جانے کی شرمناک اور ذلت واذیت ناک حالت پر عار دلا کر ان کی کفریہ قرشیت کو تحریک کی ۔ بناء بریں آپ کے ان الفاظ میں محض فطری جذبات کے غیر اختیاری مظاہرہ کے علاوہ اور کوئی مقصد نہ ہوتے ہوئے بھی چوں کہ بہ ظاہر کفارِ قریش کے ساتھ جذبۂ ہمدردی کا اظہار معلوم ہورہا تھا۔ اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نظامِ نبوت وخلافت کے تحت برپا اور قائم ہوجانے والی خالص اسلامی معاشرت کے مقتضیات کا بروقت صحیح احساس دلانے کا فریضہ ادا فرمایا اور پوری کائنات کی تمام عورتوں سے امہات المؤمنین کی بلندترین اور قابلِ رشک حیثیت کی مکمل نگرانی اس کے تحفظ اور اس کے مستقل عملی اظہار کی پابندی کرانے کے لیے آپ کی اس غیر اختیاری غیر متوقع حالت اور گفتگو پر بھی فوراً تنبیہ فرمائی۔ جس پر سیدہ سودہ سلام اللہ علیہا نے بھی اپنے دینی وشرعی مقام ومنصب کا احساس ولحاظ کرتے ہوئے فوراً اس مفہوم کے ساتھ معذرت کر دی کہ ''یارسول اللہ! یہ الفاظ میرے منہ سے بے ساختہ نکل گئے ہیں ورنہ ان سے خدانخواستہ کسی کافر رشتہ دار کے ساتھ محض دنیاوی ہمدردی کے دانستہ مظاہرہ اور اس کے جذبۂ جاہلیت کو انگیخت وتحریک کرنا ہرگز مقصود نہ تھا۔'' چنانچہ نبی کریم علیہ السلام نے بھی جنابِ سیدہ سودہ کی اس معذرت کو بالکل سچی اور مبنی برحقیقت جانتے ہوئے سکوت اختیار کر کے عملاً قبول فرمالیا اور پھر جنابِ سیدہ سودہ کو اس سلسلہ میں مزید کوئی تنبیہ وتاکید ارشاد نہیں فرمائی۔

نبی علیہ السلام کا ارادہ طلاق اور رجوع:

۳......کتبِ حدیث اور سیرت وتواریخ میں حضرتِ ام المؤمنین سیدہ سودہ سلام اللہ ورضوانہ علیہا کے متعلق یہ واقعہ منقول ہے کہ ایک وقت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ سودہ کو طلاق دینے کا ارادہ فرمالیا تھا۔ لیکن جب جنابِ سیدہ کو اس کا علم ہوا تو ایک روز حجرۂ سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا سے اپنے حجرہ کی طرف آنے والے راستہ میں حضور علیہ السلام کی آمد کا انتظار کرنے بیٹھ گئیں۔ چنانچہ جب آپ تشریف لائے تو سیدہ سودہ نے آپ کے ارادۂ طلاق کے نتیجہ اور صدمہ کے شدید احساس کا اظہار کرتے ہوئے بڑی لجاجت سے عرض کیا کہ ''یارسول اللہ! مجھے طلاق نہ دیجئے اور مجھے اپنی زوجیت میں رہنے دیجیے۔ خدا کی قسم مجھے اب اس عمر میں (اور ام المؤمنین بننے کا شرف حاصل ہونے کے بعد) کسی دوسرے خاوند کی ہرگز ہرگز کوئی ضرورت نہیں۔ البتہ میری یہ تمنا ہے کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ مجھے آپ کی ازواج میں اٹھائے۔ چونکہ میں بوڑھی ہوگئی ہوں۔ اس لیے میں اپنی باری عائشہ کو دیتی ہوں'' جس پر حضور علیہ السلام نے ارادۂ طلاق سے رجوع فرمالیا اور جنابِ سیدہ سودہ کو زمرۂ ازواجِ مطہرات میں بدستور شامل رکھا۔ تو مذکورہ بالا واقعہ پڑھ کر خیال پیدا ہوتا ہے کہ شاید نبی علیہ السلام نے جنابِ سیدہ سودہ کے کافر قیدی چچا کے متعلق ان کے اسی غیر مناسب قول کی وجہ سے ہی اظہارِ ناپسندیدگی اور ناراضی فرمایا اور سیدہ کی تعلیم وتربیت کی تکمیل نیز انھیں نصیحت وتادیب کی خاطر ہی ان کو طلاق دینے کا ارادہ فرمالیا ہو۔ مگر چونکہ تقدیرِ الٰہی میں سیدہ سودہ کو ابدالآباد کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات کے زمرۂ طیبہ میں اور امہات المؤمنین کے رتبۂ عالیہ اور منصبِ عظیم پر باقی رکھنا لکھا ہوا تھا۔ اس لیے جنابِ سیدہ کی معذرت اور التجا کے حیلہ سے ہی نوشتۂ تقدیر حضور علیہ السلام کے رجوع کی صورت میں

ظاہر ہوا اور سیدہ سودہ کے لیے زوجیتِ نبویہ کے الٰہی انتخاب اور ان کے مقام و منصب اور نبی علیہ السلام کے ساتھ دنیا وآخرت کے اندر ان کی رفاقتِ دائمہ کی سعادتِ عظمیٰ کا باعث اور منّا دبن گیا۔

۴......بناء بریں یہ بات اللہ ورسول کی طرف سے ام المؤمنین سیدہ سودہ کے ایمان وصدق قول وعمل کی شہادت و تصدیق کے ساتھ ایک نا قابلِ تردید حقیقت ہے کہ جنابِ سیدہ کی زبان پر یہ جملہ بے ساختہ جاری ہو گیا تھا لیکن ام المؤمنین ہونے کی حیثیت سے جو ان کی عظمت ورفعت اور عزت وحرمت ہے۔ اس کے پیشِ نظر جنابِ سیدہ کی زبان سے فطری جوش و حمیت کے زیر اثر غیر اختیاری طور پر بے ساختگی کی حالت میں یہ نکلا ہوا جملہ اسلامی نظام کے شعبۂ جہاد کے وقار اور خود سیدہ موصوفہ کی شانِ اُمومہ کے خلاف تھا۔ اس لیے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شارع ومعلم اعظم کی حیثیت سے اس غیر اختیاری مگر بظاہر خلافِ شان وخلافِ ادب کلام پر بھی ضروری اور لازم سمجھتے ہوئے گرفت اور تنبیہ وتادیب فرما دی تا کہ آئندہ خواص تو کجا کسی عام مسلمان کو بھی اسلام کے کسی ایک چھوٹے یا بڑے قانون اور حکم کے متعلق مبہم ومشکوک انداز کے ساتھ یا خلافِ شان وادب زبان کھولنے کی جرأت وجسارت نہ ہو سکے۔ واللہ اعلم

کافر چچا سے ہمدردانہ کلام اور نبی علیہ السلام کی تنبیہ:

ہمدردانہ کلام اور اس پر نبی علیہ السلام کی تنبیہ وتادیب کا ایک خاص اور اہم واقعہ

قال ابن اسحاق وحدثنی عبداللّٰہ بن ابی بکر ان یحیٰ ابن عبدالرحمن بن اسعد بن زرارہ قال قدم بالاساریٰ حین قدم بھم وسودۃ بنت زمعہ زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم عند آل عفرآء فی مناختھم علی عوف و معوذ ابنی عفراء ،وذالک قبل ان یضرب علیھن الحجاب .قال "تقول سودۃ واللہ انی لعندھم اذ أتینا فقیل "ھٰؤلاءِ الأساریٰ قد اتی بھم ،قالت فرجعت الیٰ بیتی ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیہ واذا أبو یزید سھیل ابن عمرو فی ناحیۃ الحجرۃِ مجموعۃ یداہ الیٰ عنقہٖ بحبل ،قالت "فلا واللہ ما ملکت نفسی حین رأیت أبایزید کذالک ان قلتُ ای ابا یزید اعطیتم بأیدیکم ألاّ متم کراماً "فواللہ مآأنبھنی الا قول رسول اللہ صلی اللہ علی وسلم من البیت :"یاسودہ !أعلی واللہ ورسولہ تحرضین ؟قالت "قلت یا رسول اللہ "والذی بعثک بالحق ،ما ملکت نفسی حین رأیت أبا یزید مجموعۃ یداہ الیٰ عنقہ أن قلت ما قلت . (السیرۃ النبویۃ'' لابن ہشام'' ص۵۴، ج۳ طبع جدید۔'' دار الفکر۔ مصر)

''ابن اسحاق کہتا ہے......مجھ سے عبداللہ بن ابی بکر نے بیان کیا کہ تحقیق یحییٰ بن عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن اسعد بن زراہ نے کہا ہے کہ (غزوہ بدر کے) جنگی قیدی جب (مدینہ منورہ میں) لائے گئے تو اس وقت (ام المؤمنین سیدہ سودہ بنتِ زمعہ (سلام اللہ ورضوانہ علیہا) زوجۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مشہور صحابیہ سیدہ عفراء (رضی اللہ عنہا) کے گھر والوں کے پاس ان کے محلّہ میں عفراء کے دونوں بیٹوں عوف اور معوذ کی دیکھ بھال کے لیے موجود تھیں اور یہ واقعہ ازواجِ مطہرات پر پردہ لازم کرنے کا حکم آنے سے پہلے کا ہے۔ یحییٰ کہتے ہیں (سیدہ) سودہ فرماتی

ہیں ''خدا کی قسم میں ان آل عفراء کے پاس ہی تھی جب (بدر کے جنگی) قیدی ہمارے پاس لائے گئے تو اس وقت لوگوں میں یہ کہا جا رہا تھا کہ ''یہ لوگ (بدر کے) قیدی ہیں جنھیں لایا گیا ہے'' (سیدہ) سودہ نے فرمایا کہ ''اس کے بعد میں (آل عفرآء کے محلّہ سے) اپنے گھر (حجرہ) کی طرف واپس آ گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہیں گھر (حجرہ) میں موجود تھے اور میں نے اچانک دیکھا کہ حجرہ کے ایک کونے کے اندر میرے باپ کا چچا زاد بھائی (رشتہ کا چچا) ابو یزید سہیل ابن عمرو (ابنِ عبد شمس) اس حال میں تھا کہ اس کے دونوں ہاتھ گردن کی طرف موڑ کر رسی کے ساتھ بندھے ہوئے تھے (سیدہ) سودہ فرماتی ہیں کہ ''خدا کی قسم! جب میں نے ابو یزید کو اس حال میں دیکھا تو (احساسِ رشتہ مندی اور عرب کے فطری جذبۂ غیرت کے باعث) میں اپنے آپ کو قابو نہ رکھ سکی اور (بے اختیار ہو کر اسے) یہ کہہ دیا کہ ''تم لوگوں نے اپنے آپ کو خود ہی (مسلمانوں کے) حوالہ کر کے قید کرا لیا۔ تم (لڑ کر) عزت کی موت مر نہ گئے۔ سو خدا کی قسم (اس جذبۂ جوش میں اتنی محو تھی کہ گفتگو کے وقت) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس (جوابی) ارشاد نے مجھے چونکا دیا کہ ''اے سودہ! کیا تم گھر کے اندر (اس کو) اللہ اور اس کے رسول کے خلاف بھڑکا رہی ہو'' (سیدہ) سودہ فرماتی ہیں میں نے متنبہ ہو کر معذرت کرتے ہوئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عرض کیا کہ ''یارسول اللہ! اس ذات کی قسم جس نے آپ کو نبی برحق بنا کر بھیجا ہے (یہ بات کرتے وقت میری نیت اور غرض ہرگز دین کے خلاف نہیں تھی بلکہ صرف یہ وجہ ہوئی کہ) جب میں نے ابو یزید کو گردن کی طرف موڑے اور رسی کے ساتھ بندھے ہوئے ہاتھوں کی بری حالت میں دیکھا تو میں اپنے دل پر قابو نہ رکھ سکی۔ یہاں تک کہ جو کچھ میں نے کہا ہے وہ بات میرے منھ سے نکل گئی۔''

قد وقامت:

سیدہ سودہ کا قد لمبا اور جسم بھاری تھا۔ ازواجِ مطہرات میں ان کے قد سے زیادہ کسی کا قد لمبا نہ تھا۔

روایتِ حدیث:

سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا سے صرف پانچ احادیث مروی ہیں جن میں سے بخاری میں صرف ایک حدیث مروی ہے۔ صحابہ میں سے حضرت ابنِ عباس، ابنِ زبیر اور یحیٰی بن عبدالرحمٰن بن اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہم نے ان سے روایت کی ہے۔

قابلِ رشک اخلاق ومحاسن:

سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کے اخلاق کے بارہ میں حبیبِ رب العالمین سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا بہ طورِ خاص فرماتی ہیں:

ما من الناس امرأة احب الی ان اکون فی مسلاخها من سودة. (طبقات ابنِ سعد، ص ۳۷، ج ۸)

''سودہ کے علاوہ کسی عورت کو دیکھ کر مجھے کبھی یہ تمنا نہیں ہوئی کہ اس کے قالب میں میری روح ہوتی۔''

اور دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

ما من الناس احد احب الی ان أکون فی مسلاخهٖ من سودة .ان بها الأ حدة فیها کانت تسرع منها اللعنة (الاصابہ ص ۳۳۱، ج ۴)

''تمام انسانوں میں مجھے سودہ کے سوا کسی کو دیکھ کر یہ تمنا نہیں ہوئی کہ اس کے جسم میں میری روح ہوتی۔ بس ان میں ذرہ مزاج میں تیزی تھی جس کے باعث جلدی سے دھتکار دیتی تھیں۔''

اطاعت اور فرماں برداری میں وہ تمام ازواج مطہرات سے ممتاز تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر ازواج مطہرات کو مخاطب کر کے فرمادیا تھا کہ ''میرے بعد گھر میں بیٹھنا'' (''الزرقانی'' ص ۲۰۲، ج ۳، بہ حوالہ ''سیر الصحابیات''، تالیف مولانا سعید انصاری مرحوم سابق رفیقِ دار المصنفین)

چنانچہ سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا نے اس حکم پر اس شدت سے عمل کیا کہ پھر کبھی حج کے لیے بھی نہ نکلیں۔ حالانکہ یہ حکم عبادات کے متعلق نہ تھا بلکہ معمولاتِ زندگی میں عام عورتوں کی طرح اعزہ واقارب کے ہاں یا ضروریات کے لیے کہیں آنے جانے کے متعلق تھا لیکن انھوں نے اپنے اجتہاد سے اس حکم کے ظاہری علوم پر ہی عمل کیا۔ چنانچہ فرماتی تھیں کہ ''میں حج اور عمرہ دونوں کر چکی ہوں اور اب اللہ کے حکم کے مطابق گھر میں بیٹھوں گی۔'' (''طبقات'' ص ۳۸، ج ۸، بحوالہ ''سیر الصحابیات'' ص ۶)

سخاوت وایثار:

سخاوت اور فیاضی بھی ان کا ایک نمایاں وصف تھا اور سیدہ عائشہ کے سوا وہ اس وصف میں بھی سب سے ممتاز تھیں۔ چنانچہ اس سلسلہ میں یہ واقعہ منقول ومشہور ہے کہ ''ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے چند خدام کے ذریعہ ان کی خدمت میں دراہم کی ایک بوری بھر کر بھیجی۔ آپ نے لانے والے خدام سے پوچھا کہ ''اس میں کیا ہے؟'' انھوں نے عرض کیا کہ ''درہم ہیں'' تو فرمایا ''کیا درہم بھی کھجوروں کی طرح بوری میں بھیجے جاتے ہیں'' یہ کہہ کر اسی وقت تمام درہم مستحقین میں تقسیم کر دیئے۔''

اخرج ابن سعید بسند صحیح عن محمد بن سیرین . ان عمر (رضی اللہ عنہ) بعث الیٰ سودۃ بغرارۃ من دراھم فقالت ''ماھذہٖ؟'' قالو ''دراھم'' قالت ''فی غرارۃ مثل التمر'' ففرقتھا (''الاصابہ'' ص ۳۲، ج ۴)

''ایک دفعہ حضرتِ عمر نے ان کی خدمت میں دراہم کی ایک بوری بھر کر بھیجی۔ آپ نے لانے والے خدام سے پوچھا کہ ''اس میں کیا ہے؟'' تو انھوں نے عرض کیا کہ ''درہم ہیں'' تو فرمایا کہ ''درہم بھی کھجوروں کی طرح بوری میں بھیجے جاتے ہیں'' یہ کہہ کر تمام درہم اسی وقت مستحقین میں تقسیم کر دیئے۔''

سیدہ سودہ طائف کی کھالیں بناتی تھیں اور اس سے جو آمدنی ہوتی تھیں اس کو نہایت آزادی کے ساتھ نیک کاموں میں صرف کرتی تھیں۔ (ایضاً ص ۶۵، بحوالہ ایضاً ص ۱۷)

مزاج میں تیزی بھی تھی اور ظرافت بھی۔ حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ وہ بہت جلد غصہ سے بھڑک اٹھتی تھیں۔ ایک مرتبہ قضاءِ حاجت کے لیے باہر نکلیں تو نمایاں قد کی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے (جو راہ میں ملے تھے) انھیں پہچان لیا۔ حضرت عمر کو ازواج مطہرات کا باہر نکلنا ناگوار تھا۔ پردہ کی تحریک بھی کر چکے تھے۔ اس لیے بولے ''سودہ! تم کو ہم نے پہچان لیا ہے'' سیدہ سودہ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تنبیہ کا یہ انداز سخت ناگوار گزرا تو انھوں نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں پہنچ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شکایت کی۔ لیکن اسی واقعہ کے باعث آیتِ حجاب نازل ہوگئی۔ (''صحیح البخاری'' ص ۲۶، ج ۱۔ بحوالہ ''سیر الصحابیات'' ص ۱۷)

ظرافت ومزاح:

سیدہ میں ظرافت اس قدر تھی کہ حضور علیہ السلام کو ہنسایا کرتی تھیں اور کبھی کبھی اس انداز سے چلتی تھیں کہ آپ ہنس پڑتے تھے۔ ایک مرتبہ کہنے لگیں کہ کل رات کو میں نے آپ کے ساتھ نماز پڑھی تھی۔ آپ نے اس قدر دیر تک رکوع کیا کہ مجھے ''نکسیر'' پھوٹنے کا شبہ ہو گیا۔ اس لیے میں دیر تک ناک پکڑے کھڑی رہی'' آپ اس جملے سے مسکرائے۔

(''ابنِ سعد'' ص ۳۷، ج ۸۔ بحوالہ ''سیر الصحابیات'')

سیدہ سودہ بڑی عمر کی تھیں۔ چنانچہ فرائضِ زندگی خصوصاً کاشانہ نبوی کے مقتضیات پورے کرنے میں انھیں طبعی ضعف کی وجہ سے دشواری پیش آتی تھی۔ اس لیے اور بعض دیگر وجوہ سے حضور نے ان کو طلاق دینے کا ارادہ فرمالیا۔ سیدہ سودہ کو معلوم ہوا تو آپ سے عرض کیا کہ ''مجھے طلاق نہ دیجئے اور مجھے اپنی زوجیت میں رہنے دیجئے۔ خدا کی قسم مجھے اب زن وشوہر کے تعلق کی کوئی ضرورت نہیں۔ البتہ میری یہ تمنا ہے کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ مجھے آپ کی ازواج میں اٹھائے۔ چونکہ میں بوڑھی ہوگئی ہوں' اس لیے میں اپنی باری عائشہ کو دیتی ہوں'' چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی التجاء قبول فرمائی اور طلاق نہ دی۔ بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ آپ نے سیدہ سودہ کو طلاق دے دی تھی لیکن ان کی یہ عجز وخلوص سے بھری ہوئی التجاء سن کر پھر رجوع کرلیا تھا۔

وأ خرج الترمذی عن ابن عباس رضی الله عنهما بسند حسن ان سودة خشيت ان يطلقها رسول الله صلی الله عليه وسلم .فقالت "لاتطلقنی وأمسكنی واجعل يومی لعائشة وفی بعضها انه قال لها "اعتدی والطريقان مرسلا ن وفيهما انها قعدت علی طريقه فنا شدته أن يراجعهاوعن طريق معمر قال :بلغنی انها كلمته فقالت مابی علی الازواج من حرص (وفی رواية والله مابی حاجت فی الرجال)ولكنی أ حب ان يبعثنی الله يوم القيا مة زوجا ً لک (أو أحشرنی فی أزواجک يوم القيٰمة) ففعل . (''الاصابۃ'' ص ۳۳۰، ۳۳۱، ج ۴)

''امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے سندِ حسن کے ساتھ یہ روایت کی ہے کہ سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کو حضور علیہ السلام کے معمولات کے اثر سے یہ خطرہ محسوس ہوا کہ آپ ان کو طلاق دینے کا ارادہ فرمارہے ہیں تو لجاجتاً عرض کیا کہ ''آپ مجھے طلاق نہ دیں بلکہ اپنے پاس ٹھہرائے رکھیں اور میری باری عائشہ کو دے دیں اور بعض روایات میں آیا ہے کہ حضور نے ان کو (بہ طورِ طلاق کنایہ) فرمادیا کہ ''اعتدی'' (اپنی عدت کے دن گنتی رہ) اور یہ دونوں طریق مرسَل ہیں اور ان میں یہ بھی بیان ہوا ہے کہ جب یہ صورت پیش آئی تو سیدہ سودہ آپ کے راستے میں انتظار آمد کے لیے بیٹھ گئیں اور آپ کے تشریف لانے پر قسم دے کر عرض کیا کہ ''آپ مجھ سے رجوع فرمالیں'' اور معمر رحمۃ اللہ علیہ کے طریق روایت میں آیا ہے۔ وہ کہتے ہیں ''مجھے یہ روایت پہنچی ہے کہ ''سیدہ سودہ نے طلاق کے متعلق حضور علیہ السلام سے گفتگو کرتے ہوئے (لجاجتاً) عرض کیا کہ ''خدا کی قسم میری اب کسی نئے خاوند پر خواہش کی نظر نہیں ہے'' اور دوسری روایت میں ہے کہ ''خدا کی قسم مجھے اب کسی مرد کی ضرورت نہیں ہے۔ البتہ یہ تمنا رکھتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے قیامت کے دن آپ کی بیوی کی حیثیت میں قبر سے اٹھائیں۔'' یا یہ الفاظ ہیں کہ ''البتہ یہ تمنا رکھتی ہوں کہ قیامت کے دن آپ کی بیویوں کے گروہ میں مجھے محشور کیا جائے۔'' چنانچہ پہلی روایت کے آخری حصہ کے مطابق حضور علیہ السلام نے ارادۂ طلاق کو ملتوی کرکے یا طلاق سے رجوع کرکے آپ کو ازواج میں باقی رکھا اور سیدہ سودہ کی باری سیدہ عائشہ کی باری کے ساتھ شامل کردی۔

مدتِ رفاقتِ نبویّہ اوروفات:

سیدہ سودہ حضورصلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سترہ سال رہیں۔بعض علماء کے نزدیک امام سادس ،خلیفۂ عادل وراشد وبرحق ،سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں ۵۴ھ / ۶۷۴ء کے اندر انتقال کیا۔''واقدی'' اسی کوترجیح دی ہے لیکن صحیح اوراکثریت کی متفقہ روایت کے مطابق امام خلیفۂ راشد ثانی سیدنا عمرفاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آخری دور میں وفات پائی۔البتہ آپ کی وفات کے یوم وماہ وسال کی تعیین میں روایات کچھ مختلف ہیں۔جن میں تطبیق کے لیے حسبِ ذیل وضاحت اورتفصیل ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔یہ طے شدہ اورمتفق علیہ ہے کہ امیر یزید ابنِ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعتِ خلافت کے مجوزمشہورجلیل القدر،مدبراسلام صحابی سیدنا مغیرہ بن شعبہ ثقفی رضی اللہ عنہ کے ذمی کافرغلام،ملعون وبدبخت ابولؤلو فیروز مجوسی ایرانی کے قاتلِ اسلام زہرآلود دودھاری خنجر سے سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ ۲۷رذوالحجہ ۲۳ھ / ۴رنومبر ۶۷۴ء جمعرات کویہ سال اوراس کا یہ آخری مہینہ ختم ہونے سے تین رات پہلے نماز فجر کے دوران زخمی ہوئے اور نئے سال کے پہلے مہینے کے پہلے دن یکم محرم الحرام ۲۳ھ / ۷نومبر ۶۴۴ء یکشنبہ (اتوار) کو پیٹ کے اسی خوف ناک زخم کے سبب آپ نے شہادت پائی اورسیرت کی ایک روایت کے مطابق حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے آخری زمانۂ خلافت کے دوران آپ کی شہادت سے چندروز پہلے ماہ ذوالحجہ ۲۳ھ کے اندر سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا لیکن ''تاریخ الخمیس'' میں منقولہ روایت کے مطابق ام المؤمنین سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کی وفات کا سال ۲۲ھ ہے اورحضرت امام بخاری ،علامہ ذہبی ،ابنِ اثیر جزری ،ابنِ عبدالبراندلسی اورخزرجی رحمہم اللہ جیسے کبارمحدثین،علماء سیراورمؤرخین کی اکثریت کا یہی قول اورروایت سب سے زائد متفق علیہ اورصحیح ہے۔(''الزرقانی'' ص ۲۶۲،ج ۳۔بحوالہ ''سیر الصحابیات'' ص ۱۵)

بہ ایں صورت ۲۲ھ ہو یا ۲۳ھ بہرحال حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے آخری دورِ خلافت میں ہی مخدومہ اُم المؤمنین نے وفات پائی۔اس لحاظ سے آخری دورخلافتِ فاروقیہ کے مفہوم کی تعیین میں لفظی تفاوت کے سوئ حقیقتاً کوئی اختلاف نہیں۔

فانا للہ وانا الیہ راجعون

سلام اللہ علی النبی ورضوانہ علیہا

(دارِمعاویہ،دفتر ''الاحرار'' ۲۳،کوٹ تغلق شاہ ملتان۔آغازِظہر،ہفتہ۔۲رمحرم الحرام ۱۴۱۰ھ۔۵راگست ۱۹۸۹ء)

الغازی مشینری سٹور

ہمہ قسم چائنہ ڈیزل انجن،سپیئرپارٹس
تھوک وپرچون ارزاں نرخوں پرہم سے طلب کریں

بلاک نمبر 9 کالج روڈ،ڈیرہ غازی خان 064-2462501

مولانا مشتاق احمد چنیوٹی
جامعہ اسلامیہ کامونکی (گوجرانولہ)

امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا مثالی اندازِ حکومت

آزادیٔ فکر، آزادیٔ اظہار، قانون کی بالادستی، خود احتسابی، عدل وانصاف، قومی خزانہ کی حفاظت، خوشامدیوں سے دوری، ہدیے قبول کرنے سے انکار، سادگی، خوفِ خدا، رفقاء کی اچھے عہدوں پر تقرری، اصولِ مساوات اور عوام کی تنقید کو خندہ پیشانی سے برداشت کرنا ایک اچھے مسلمان حکمران کی بنیادی خصوصیات ہیں۔ اسلامی تاریخ کے نامور حکمران خلیفۂ راشد حضرت سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ان تمام مذکورہ اوصاف سے متصف تھے اور آپ کو ان اصولوں پر عمل درآمد کرنے اور کرانے کے وسیع مواقع میسر آئے۔ ذیل میں ان کے زمانۂ خلافت کی چند جھلکیاں پیش کی جاتی ہیں۔ یہ واقعات احقر نے سید عمر تلسانی کتاب ''عمر بن خطاب'' کے اردو ترجمہ اور ''الفاروق'' از علامہ شبلی نعمانی سے منتخب کیے ہیں۔

خود احتسابی:

آپ کے دل میں اگر کبھی کوئی پسندیدہ خیال آتا تو اسے سختی سے جھٹک دیتے، اپنے آپ کو ڈانٹ پلاتے اور اپنا محاسبہ خود کرتے تھے۔ ایک مرتبہ سورۃ عبس کی آیت فاکھۃ وابّاً پڑھی تو دل نے کہا یہ ''ابّاً'' کیا ہے۔ فوراً سنبھلے اور دل سے کہا یہ تکلف کیوں؟ تجھے اگر یہ معلوم نہ ہو کہ ''ابّاً'' کیا ہے تو اس سے تیرا کون سا عمل ناقص رہ جائے گا یعنی قیامت کو جن باتوں کے بارے میں پوچھ ہوگی وہ معلوم ہیں تو اپنا عمل درست کر لو اور اس باز پرس کی فکر کرو۔

قانون کی بالادستی:

آپ نے فرمایا جس کسی پر کوئی امیر یا گورنر زیادتی کرے وہ مجھے اس کی اطلاع دے میں اس سے بدلہ دلواؤں گا۔ چنانچہ جب امراء کسی شخص پر زیادتی کرتے تو ضرور ان سے بدلہ دلوایا جاتا تھا۔ آپ نے بطور حاکم اپنی ذمہ داری اور رعایا کے بنیادی حقوق کا اعلان فرماتے ہوئے کہا ''اگر میرے کسی عامل نے کسی شخص پر ظلم کیا اور مجھے اس کی اطلاع مل گئی اور اس کے باوجود میں نے مظلوم کی دادرسی نہ کی تو سمجھو میں اس ظلم میں نہ صرف شریک ہوں بلکہ حقیقت میں ظلم کا مرتکب ہوں۔'' اس احساسِ فرض اور پاکیزہ تصور کا یہ نتیجہ تھا کہ آپ لوگوں کو تاکید فرمایا کرتے تھے کہ ظلم وزیادتی پر خاموشی اختیار کرنے کی بجائے وہ اس پر احتجاج کیا کریں تاکہ ظلم کا خاتمہ کیا جاسکے۔ یہ حاکم وقت کے فہم سلیم اور احساس ذمہ داری کی قابل رشک مثال ہے۔

قومی خزانہ کی حفاظت:

قومی خزانہ ایک امانت کی حیثیت رکھتا ہے۔ حاکم وقت اور ذمہ داران اس کے امین ہوتے ہیں اور اس کے بارے میں ان سے باز پرس بھی سخت ہوگی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے ''بیت المال کے ساتھ میرا معاملہ ویسا ہی ہے جیسا یتیم کے مال کے ساتھ اس کے سرپرست کا ہوتا ہے۔ اگر میں محتاج ہوا تو حسبِ ضرورت بیت المال سے لوں گا۔ حالات

درست ہو گئے تو واپس کر دوں گا اور اگر مالدار ہو گیا تو بیت المال سے کچھ نہ لوں گا۔ اس اہم اور نازک معاملہ کی مزید وضاحت یوں فرمائی ''اس بیت المال سے میں اسی قدر وصول کروں گا جس قدر میں اپنے کمائے ہوئے مال سے خرچ کیا کرتا تھا۔

خوشامد کی ممانعت:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ حکومت کے اداروں کو اجازت نہیں دیتے تھے کہ وہ ان کی ذات کی تعریف میں رطب اللسان ہو جائیں۔ فرماتے تھے ممکن ہے میں تمہیں ایسے کاموں سے منع کروں جس میں تمہارا فائدہ اور مصلحت ہو اور تمہیں ایسے کاموں کا حکم دوں جس سے تمہیں نقصان ہونے کا احتمال ہو۔ اس لیے تم میری اصلاح کرتے رہا کرو۔

قحط سالی میں حضرت عمرؓ کا طرزِ عمل:

آپ جب رعایا کو کسی بات کا حکم دیتے تو خود اس پر پہلے کاربند ہو جاتے تا کہ عامۃ الناس کے لیے اچھا نمونہ پیش کریں۔ آپ نے لوگوں سے سادگی اور قناعت اختیار کرنے کا مطالبہ کیا تو خود اس کی بہترین عملی مثال بن گئے۔ قحط سالی میں اپنے لیے ہر وہ چیز ممنوع سمجھ لی تھی جس تک عام لوگوں کی رسائی ممکن نہ تھی۔ قحط کے زمانہ میں رعایا کی بھوک اور تنگی کا اس قدر احساس تھا کہ یوں معلوم ہونے لگا کہ اس فکر سے ہلکان ہو جائیں گے۔ یہ زمانہ پانچ چھ سال کے عرصہ پر محیط تھا۔ اس پورے دور میں آپ نے زندگی کی ہر پر لطف چیز کو خیر باد کہہ دیا تھا۔

ہدیہ قبول کرنے سے انکار:

ہدیہ لینا اور دینا اسلامی نقطۂ نظر سے جائز بلکہ مستحسن ہے مگر حکمرانوں کو عموماً ہدیے غلط انداز میں پیش کیے جاتے ہیں۔ صاف ستھرے نظام حکومت میں جہاں قانون کی حکمرانی ہو حکمرانوں کو ہدیوں سے کیا واسطہ؟ عام حکمران اگر بہت قابل رشک مثال بھی پیش کریں تو ان کا حال یہ ہوتا ہے کہ اپنی ذات کے لیے تو ہدیہ قبول نہیں کرتے مگر اپنے اہل وعیال کے لیے بخوشی وصول کر لیتے ہیں۔ مگر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا معاملہ یہ تھا کہ نہ تو اپنے لیے کوئی تحفہ قبول کرتے تھے اور نہ اپنے اہل وعیال کے لیے اور اگر کوئی عزیز ایسا ہدیہ قبول کر لیتا تھا تو اس پر مناسب انداز میں سرزنش فرماتے تھے۔

سادگی اور زہد:

آپ اتنے سادہ مزاج اور دنیا داری سے دور تھے کہ اپنی خلافت کے دور میں آپ حج کے لیے نکلے اور کوئی خیمہ نہیں لگایا۔ دھوپ سے بچنے کے لیے کسی جھاڑی کی اوٹ میں بیٹھ جاتے تھے۔ چمڑے کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا ساتھ تھا کبھی اس سے سایہ کر لیتے تھے۔ تپتے ہوئے ریگستان میں وہ سایہ کیا حیثیت رکھتا تھا۔ آپ اس بات سے خائف تھے کہ اپنے لیے کوئی ایسا راستہ فراہم کریں جس کا مہیا کرنا رعایا کے ہر فرد کے لیے ممکن نہ ہو۔

اچھے رفقاء کی تلاش:

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نوجوانوں کو ان کی صلاحیتوں کے مطابق ذمہ داریاں سونپ دیا کرتے تھے۔ اس سے ان میں خود اعتمادی بھی پیدا ہوتی تھی اور ان کی صلاحیتیں بھی مزید پروان چڑھتی تھیں۔ مثلاً آپ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو اپنی

مجلس میں بٹھایا کرتے اور مشکل مسائل میں ان سے مشورہ لیا کرتے تھے اور کئی مرتبہ ان کی رائے کو قبول کر لیا کرتے تھے۔ آپ ہر میدان کے لیے مردانِ کار کی تلاش میں رہتے تھے اور اپنی خداداد صلاحیتوں کی بدولت فوراً مناسب آدمی کو ڈھونڈ لیتے تھے۔

خوفِ خدا:

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے بیت المال کے بارے میں اللہ سے بہت ڈرتے تھے۔ ایک مرتبہ حج کے لیے گئے اور مدینہ سے مکہ اور وہاں سے واپسی کا سفر صرف اَسّی درہم میں مکمل کر لیا۔ اس کے باوجود اپنا محاسبہ کرنے لگے اور کفِ افسوس ملتے ہوئے کہا ''ہم کتنے بے خوف ہو گئے ہیں کہ بیت المال میں اسراف کرنے لگے ہیں۔

اپنے آپ پر دوسروں کو ترجیح دینا:

ایک مرتبہ مدینہ منورہ میں کہیں سے مالِ غنیمت آیا۔ جس میں بہت سے قیمتی پارچہ جات تھے۔ آپ نے یہ سب صحابہ کرامؓ کو لباس دیا۔ ایک قیمتی حلہ بچ گیا تو آپ نے صحابہ سے کہا ''کسی ایسے نوجوان کی نشاندہی کرو جس نے ہجرت کی ہو اور اس کے باپ نے بھی ہجرت کی ہو تاکہ میں یہ حلہ اسے دے دوں۔ لوگوں نے بلاتوقف کہا عبداللہ بن عمرؓ۔ آپ نے فرمایا نہیں وہ تو اس کا مستحق نہیں ہو سکتا پھر آپ نے سلیط بن سلیطؓ کو حلہ عطا کر دیا۔

مقدمات کے فیصلے اور انصاف کے تقاضے:

ارضی وسماوی ہر قانون میں ایک بنیادی اصول مسلم ہے کہ کوئی بھی فیصلہ اس وقت تک صادر نہ کیا جائے جب تک طرفین کی بات پوری طرح نہ سن لی جائے۔ شریعت اسلامیہ میں جب معاملہ مشتبہ ہو جائے تو حد جاری نہیں کی جاسکتی۔ ایک حدیث کی تاویل میں فقہاء اور مسلم ماہرین قانون نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ شک کا فائدہ ملزم کو دیا جائے۔ ایک جانب یہ عظیم اصول کارفرما ہیں اور دوسری جانب بدقسمتی سے مسلمان ممالک کے حکمرانوں نے دورِ انحطاط میں ان اصولوں کی دھجیاں بکھیر دی ہیں۔ کیا بلندی تھی اور اب کیا پستی ہے؟ شکوک وشبہات کو بنیاد بنا کر اپنے مخالفین کو فوری اور ناقابل برداشت سزائیں سنا دینے کی ایسی ریت چلی ہے کہ خدا کی پناہ۔ استغاثہ کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ الزام کا ثبوت پیش کرے مگر ہمارے ممالک میں اس اصول کو الٹ دیا گیا کہ ملزم اپنی بے گناہی ثابت کرے۔ اگر ملزم اس سکھا شاہی نظام میں اپنی بے گناہی ثابت کر بھی دے تو ضروری نہیں کہ عقوبت سے بچ نکلے کیوں کہ انصاف کا گلا گھونٹنے والوں سے انصاف کی توقع عبث ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا دورِ حکومت انصاف کے مذکورہ تقاضوں پر عمل درآمد کا آئینہ دار تھا۔

اصولِ مساوات:

اصولِ مساوات کی بنا پر وہ کسی شخص کے لیے کسی قسم کا امتیاز پسند نہیں کرتے تھے۔ ایک دفعہ ابی ابن کعبؓ سے کچھ نزاع ہوئی۔ زید بن ثابتؓ کے ہاں مقدمہ پیش ہوا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ان کے پاس گئے تو انھوں نے تعظیم کے لیے جگہ خالی کر دی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا یہ پہلی ناانصافی ہے جو تم نے اس مقدمہ میں کی۔ یہ کہہ کر اپنے فریق کے برابر بیٹھ گئے۔ یہی بھید تھا کہ طرزِ معاشرت نہایت سادہ اور غریبانہ رکھی تھی۔ سفر وحضر میں، جلوت وخلوت میں، اور بازار میں کوئی شخص ان

کوکسی علامت سے پہچان نہیں سکتا تھا کہ یہ خلیفۂ وقت ہیں۔

آزادی اورحق گوئی کا قائم رکھنا:

اخلاق کی پختگی اوراستواری کا اصل سرچشمہ آزادی اورخودداری ہے۔سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس پر بہت توجہ کی۔آپ نے مختلف موقعوں پرتحریروتقریر سے جتادیا کہ ہرشخص ماں کے پیٹ سے آزاد پیدا ہوا ہے اورادنیٰ سے ادنیٰ آدمی بھی کسی کے آگے ذلیل ہوکرنہیں رہ سکتا۔سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے معزز فرزند نے جب ایک قبطی کو بے وجہ مارا تو خوداسی قبطی کے ہاتھ سے مجمع عام میں سزادلوائی اورعمرو بن العاص اوران کے بیٹے کی طرف مخاطب ہوکر یہ الفاظ کہے: **مذ کم تعبدتم الناس وقد ولدتهم امهاتهم احرارا** یعنی تم لوگوں نے آدمیوں کوغلام کب سے بنالیا ان کی ماؤں نے توان کوآزاد جنا تھا۔

ایک دفعہ انھوں نے منبر پر چڑھ کر کہا صاحبو! اگر میں دنیا کی طرف جھک جاؤں توتم لوگ کیا کروگے؟ ایک شخص وہیں کھڑا ہوگیا اورتلوار میان سے کھینچ کر بولا کہ تمہارا سراڑادیں گے۔سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے آزمانے کوڈانٹ کر کہا کیا میری شان میں تو یہ لفظ کہتا ہے۔اس نے کہا ہاں تمہاری شان میں۔سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا الحمدللہ قوم میں ایسے لوگ موجود ہیں کہ میں کج ہوں گا تو مجھ کوسیدھا کردیں گے۔

تقسیم ہند کے بعد بھارتی کابینہ سے خطاب کرتے ہوئے مسٹر گاندھی نے غیر مسلم ہونے کے باوجود سیدنا ابوبکرؓ اور سیدنا عمرؓ کوخراجِ تحسین پیش کیا تھا اوروزراء سے کہا تھا کہ اگر تم ابوبکرؓ وعمرؓ کی پیروی کروگے تو ایک کامیاب حکمران ثابت ہوں گے۔

آج وطن عزیز میں ہرسُو لاقانونیت کا راج ہے۔اقرباء پروری، ناقدین سے بے مروّتی ومظالم، روزافزوں مہنگائی قتل وغارت، چوری وڈکیتی، رشوت واستحصال کا دور دورہ ہے۔سیاسی، معاشی ومعاشرتی سکون عنقا ہے۔کیا ہمارے سیاست دان بالخصوص حکمران ایک آئیڈیل مسلم حکمران کی خصوصیات سے بہرہ ور ہیں۔اِنھیں اپنے گریبانوں میں جھانکنے اوراپنی اصلاح کرنے کی ضرورت ہے تاکہ تاریخ میں اِنھیں اچھے الفاظ میں یادکیا جائے اورعوام الناس سکھ کا سانس لے سکیں۔

☆☆☆

ماہانہ مجلس ذکرواصلاحی بیان
26 اگست 2007ء
جمعرات بعد نماز مغرب
ابن امیر شریعت
حضرت پیرجی
سید عطاء المہیمن بخاری دامت برکاتہم
امیر مجلس احرار اسلام پاکستان
دارِ بنی ہاشم
مہربان کالونی ملتان
الداعی سید محمد کفیل بخاری ناظم مدرسہ معمورہ دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان
061-4511961

امیرالمومنین سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ

ڈکٹیٹر ایسے ہوتے ہیں؟

''حضرت ابوقبیل کہتے ہیں کہ حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ جمعہ کے دن منبر پر چڑھے اور اپنے خطبہ میں فرمایا: یہ (اجتماعی) مال ہمارا ہے اور خراج کا مال اور لڑے بغیر ملنے والا مالِ غنیمت بھی ہمارا ہے، جسے چاہیں گے' دیں گے اور جسے چاہیں گے نہیں دیں گے، اس پر کسی نے کچھ نہیں کہا، اگلے جمعہ کو بھی انھوں نے (خطبہ میں) یہی بات کہی، پھر بھی کسی نے کچھ نہیں کہا، جب تیسرا جمعہ آیا تو انھوں نے خطبہ میں پھر وہی بات دہرائی تو حاضرین مسجد میں سے ایک شخص کھڑا ہوا اور اس نے کہا:

''ہرگز نہیں! یہ (اجتماعی مال) ہمارا ہے اور یہ خراج کا مال اور مالِ غنیمت ہمارا ہے۔ لہٰذا جو ہمارے اور اس کے درمیان حائل ہوگا، ہم اپنی تلواروں سے اس کو اللہ کے فیصلہ کی طرف لے جائیں گے۔''

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ (منبر سے) نیچے اتر آئے اور اس آدمی کو بلانے کے لیے پیغام بھیج دیا جب وہ آ گیا تو اسے اندر بلالیا، لوگ کہنے لگے کہ یہ آدمی تو ہلاک ہو گیا پھر لوگ اندر گئے تو انھوں نے دیکھا کہ وہ آدمی تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تخت پر بیٹھا ہوا ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے کہا: ''اس آدمی نے مجھے زندہ کر دیا ،اللہ اسے زندہ رکھے۔'' پھر فرمایا:

''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ''میرے بعد ایسے امیر ہوں گے کہ اگر وہ کوئی غلط بات کہیں گے تو کوئی ان کی تردید نہ کر سکے گا، وہ آگ میں ایک دوسرے پر ایسے اندھا دھند گریں گے جیسے (کسی درخت کے اوپر سے) بندر ایک دوسرے پر چھلانگ لگاتے ہیں۔''

چنانچہ میں نے پہلے جمعہ کو یہ (غلط) بات (قصداً) کہی تھی، کسی نے میری تردید نہیں کی۔ جس سے مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں میں (آگ میں گرنے والے) ان امیروں میں سے نہ ہوں؟ پھر میں نے دوسرے جمعہ کو وہی بات دوبارہ کہی تو پھر بھی کسی نے میری تردید نہ کی۔ اس پر میں نے اپنے دل میں کہا: ''میں تو ضرور ان ہی امیروں میں سے ہوں۔'' پھر میں نے تیسرے جمعہ کو وہی بات تیسری بار کہی تو اس آدمی نے کھڑے ہوئے، میری تردید کی، اس طرح اس نے مجھے زندہ کر دیا، اللہ تعالیٰ اسے زندہ رکھے۔'' (مجمع الزوائد ۲۳۶/۵، حیات الصحابہ، ج ۲، ص ۶۷، ۶۸، طبع بیروت)

حسین احمد
دارالافتاء جامعہ خیر المدارس ملتان

اسمِ معاویہ رضی اللہ عنہ
لغوی اور معنوی تحقیق

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام دریں مسئلہ کہ ''معاویہ'' نام رکھنا کیسا ہے؟ بعض لوگ دعوی کرتے ہیں کہ اس کا لغوی معنی انتہائی برا ہے۔ مصباح، قاموس، منجد وغیرہ میں ایسا ہی ہے۔ نیز اس میں ''ۃ'' تانیث کی ہے؟ کی بات درست ہے یا نہیں؟ بینوا بالدلیل واللہ الکفیل　　المستفتی فیصل احمد، بلاک نمبرا جوہرآباد (خوشاب)

الجواب: یہ نام خیر وبرکت اور محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا موجب ہے کیونکہ مومنین کے ماموں، اسلام کے عظیم فاتح، مشہور صحابیِ رسول اور کاتب وحی کا نام سیدنا معاویہؓ تھا۔ دشمنانِ اسلام مختلف بہانوں سے اس مبارک نام سے نفرت کا اظہار کر کے اپنا خبث باطن ظاہر کرتے رہتے ہیں۔ ان کی ناک خاک آلود کرنے کے لیے یہ نام رکھنے کا خاص اہتمام کرنا چاہیے۔

اوّلاً تو معاویہ چونکہ عَلَم ہے اور اعلام میں لفظی معنی مراد نہیں ہوتے: وَلَوْ كَانَتِ الْاَسْمَاءُ اِنَّمَا هِيَ اَعْلَامٌ لِلْاَشْخَاصِ لَا تَقْصُدُ بِهَا حَقِيْقَةَ الصِّفَةِ (فتح الباری، ج۱۰، ص۴۷۵) بالخصوص جو اَعلام منقول عنہ کے درجے میں ہوں مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب مبارک کی چھٹی پشت میں ''کلاب'' کا لفظی معنی مراد لینے کی جسارت کوئی نہیں کرسکتا۔ اسی طرح لغت میں فاطمہ کے معنی ''اونٹنی جس کا بچہ دودھ سے چھڑا دیا گیا ہو'' (مصباح اللغات، ص۱۳۹) العباس کے معنی ''بہت ترش رو'' (ایضاً، ص۵۴۸) الباقر کے معنی ''گایوں کے ریوڑ'' (ایضاً ص۶۷) الجعفر کے معنی ''ندی''، ''بہت دودھ والی اونٹنی'' (ایضاً، ص۱۱۴) اور اویس کے معنی ''بھیڑیا'' (ایضاً ص۴۴) کے ہیں، لیکن اعلام میں لغوی معنی کا اعتبار نہ ہونے کی وجہ سے جس طرح ان ناموں میں کوئی قباحت نہیں اسی طرح اگر بالفرض معاویہ کے لغوی معنی اچھے نہ ہوں تب بھی اس میں کوئی قباحت نہیں ہوگی۔

لفظ معاویہ ''عَوِیَ'' سے مشتق ہے از روئے لغت اس کے حسب ذیل معانی ہیں۔ (۱) کسی چیز کو موڑنا یا مروڑنا، (۲) عالم شباب میں مدمقابل کا پنجہ مروڑنا، (۳) کسی کا دفاع کرنا، (۴) جنگ یا حمایت کے لیے لوگوں کو جمع کرنا، (۵) آواز دے کر پکارنا، (۶) چاند کی ایک منزل، (۷) نشان راہ، مسافروں کی راہبری کے لیے نصب پتھر، (منتھی الادب، جلد۲، ص۲۱۵، لسان العرب، جلد۸ صفحہ ۱۰۹، تاج العروس، جلد۱۵، ص۲۶۰، القاموس، ص۸۹۶، قاموس الوحید، جلد۲ ص۱۱۴۵) اور اس میں ''ۃ'' وحدت کی ہے تانیث کی نہیں، جس کا اعتبار کرتے ہوئے معنی یوں ہوگا ''اکیلا موڑنے والا، دشمن کا تن تنہا مقابلہ کرنے والا، دلیر، نڈر، بہادر، بلند آہنگ خطیب، تنہا رہبری کرنے والا، علامہ ابن منظور افریقی نے ایک معنی یہ بھی کیا ہے ''العوّا'' ایسے ایک یا چند ستاروں کا نام ہے جن کی طرف درندے آوازیں کستے ہیں۔ (لسان العرب، جلد۸، ص۱۰۹) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد ''اصحابی کالنجوم'' کی رو سے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ بھی تابناک ستارے ہیں۔ ''العوّا'' ستارے کی

طرح آسمان رُشد و ہدایت کے اس درخشندہ اور مرکزی ستارے پر بھی دشمانِ اسلام آوازیں کستے ہیں۔ نیز مذکورہ بالا معانی مراد ہونے کی کئی وجوہات ہیں۔

(۱) اہل لغت نے عملاً وضاحت کی ہے اگر لفظ معاویہ معرف باالام ہو تو اس کا معنی سگِ مادہ وغیرہ ہوں گے، جبلہ الف لام کے۔ بغیر علم ہو تو یہ معنی مراد نہیں ہوں گے۔ (قاموس الوحید، جلد۲ص ۱۱۴۵)

(۲) یہ نام عہدِ جاہلیت سے عرب میں رائج تھا۔ کتب انساب میں اس کی بیسیوں مثالیں موجود ہیں اور اہل زبان نے اس کو برا اور معیوب شمار نہیں کیا اگر اس میں برائی ہوتی تو فصحا عرب اس کو ہرگز پسند نہ کرتے۔

(۳) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: '' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم برے نام تبدیل فرما دیتے تھے۔ (ترمذی، جلد۲ص ۱۱۱) لیکن اس نام کے بارے میں اشارتاً اور کنایتاً کوئی ممانعت ثابت نہیں، بلکہ تبدیل فرمانے کی بجائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بار بار پیار و شفقت سے سیدنا معاویہؓ کا نام لے کر پکارتے اور دعائیں دیتے (تذکرہ سیدنا معاویہ، قاضی طاہر الہاشمی، ص ۹۷) افصح کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دلنشیں ادا بھی اس کے اچھے معانی پر دلیل ہے۔

(۴) حدیث اور تاریخ کی کتابوں میں اس نام کے بیسیوں افراد موجود ہیں۔ علامہ ابن حجر عسقلانیؒ نے '' ذکر من اسم معاویہ'' کے تحت تیس سے زائد اکابر کا نام '' معاویہ'' نقل کیا ہے۔ (الاصابہ، جلد۳، صفحہ ۴۳۰) اگر نام میں قباحت ہوتی تو صحابہ کرامؓ، تابعین عظامؒ اور صلحاء امت اس کو کبھی پسند نہ فرماتے۔

(۵) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی کا نام معاویہ بن الحارث تھا۔ حضرت علیؓ کے پوتے کا نام معاویہ بن عباس، حضرت علیؓ کے داماد کا نام معاویہ بن مروان (اپنی بیٹی رملہ کے پہلے شوہر کی وفات پر خود حضرت علیؓ نے ان سے نکاح کروایا) حضرت علیؓ کے شاگرد کا نام '' معاویہ بن صعصعہ'' حضرت حسین ابن علیؓ کے بھتیجے کا نام معاویہ بن عبداللہ، حضرت امام باقرؒ کے پوتے کا نام معاویہ بن عبداللہ افطح، حضرت امام جعفر کے دو شاگردوں کا نام معاویہ بن سعید اور معاویہ بن سلمہ تھا۔ (سیدنا معاویہؓ پر اعتراضات کا علمی جائزہ، قاضی طاہر الہاشمی، صفحہ ۲۷، ۲۳۷) ان میں سے کسی نے ان کا نام نہیں بدلا۔ کیا لغت کے سہارے سے ان سب کا معنی معاذ اللہ '' کتیا، کتے بھونکنا، لومڑی کا بچہ'' کیا جا سکتا ہے؟ یا پھر یہاں پہنچ کر لغت تبدیل ہو جائے گی اور طعن و تشنیع کا ہدف بننے کے لیے مظلوم صرف محسن اسلام سیدنا معاویہ بن ابی سفیانؓ ہی رہ جائیں گے؟

الحاصل دشمنانِ اسلام کے بے سروپا شبہات کا شکار ہو کر صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک نام سے محروم رہنا جائز نہیں............فقط واللہ اعلم

کتبہ

مفتی محمد اسحاق	مفتی عبدالحکیم	فتویٰ نمبر۱۰۱/ ۸۷
(صدر مفتی)	(نائب مفتی)	۷/رجب ۱۴۲۷ھ
		۳/اگست ۲۰۰۶ء

سید محمد معاویہ بخاری

ہم کب سوچیں گے؟

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ چشم دید مناظر سے تشکیل پاتی اندوہناک کہانیاں الفاظ کے سانچے میں نہیں ڈھل پاتیں اور ان گنت واقعات قلم بند ہونے سے محض اس لئے رہ جاتے ہیں کہ ظلم و جبر کی بے جہت قدغنیں لکھنے والوں پر غلبہ حاصل کر لیتی ہیں؟ قرطاس وقلم کے مابین حائل ہوتی ان مشکلات بارے سنا تو ضرور تھا مگر عملی طور پر اس کا مشاہدہ گزشتہ تین ہفتوں میں تیزی سے ظہور پذیر ہوتے المناک حادثات کے دوران ہوا ہے۔ میں پوری دیانت داری سے اعتراف کرتا ہوں کہ بے حوصلگی اور شکستگی کے مہلک وار اتنے شدید تھے کہ جسم و جاں کی طنابیں جگہ جگہ سے کٹتی چلی گئیں اور اب صورت حال یہ ہے کہ سوچیں منتشر، اعصاب تھکن سے چور اور دل و دماغ رنج والم کی کیفیتوں سے بوجھل ہیں۔ لال مسجد اور جامعہ حفصہ پر ہونے والی بارودی بارش کے بعد، سوات، شمالی وزیرستان، ڈیرہ اسماعیل خان، ہنگو، اسلام آباد، حب، میران شاہ اور کوہاٹ میں رونما ہوتے المناک واقعات کی کرچیاں آنکھوں میں اتنے زخم بنا چکی ہیں کہ سب کچھ دھندلا پڑتا جا رہا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اس کرب کا شکار میں تنہا نہیں ہوں۔ وطن کی محبت کے اسیر لاکھوں کروڑوں اور بھی ہیں۔ جنہیں محبت اور جنگ میں سب کچھ جائز ہونے کے فارمولے پر شدید اعتراض ہے۔ کسی کے دعوائے عشق پر کوئی اعتبار بے شک نہ کرے مگر یہ حقیقت اپنی جگہ مسلم ہے کہ بے ریا دلوں کے نہاں خانوں میں پنپتے پاکیزہ جذبوں کی سچائی جانچنے کا پیمانہ بھی کسی کے پاس نہیں۔ صرف حاملین جذبات کی روش دیکھ کر ہی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ عشق و محبت کے قافلے کہاں تک محیط اور کس سمت میں رواں دواں ہیں۔ بنیاد پرست، انتہا پسند، دہشت گرد اور عسکریت پسند، جنگجو، یہ وہ القابات ہیں۔ عہد جدید کی لغت جنہیں ایک قبیلۂ عشاق کی نشاندہی کے لئے بیان کرتی ہے مگر جدید لغت یہ بتانے سے کلی طور پر عاجز ہے کہ بے حیائی، عریانی و فحاشی کا جبری اہتمام کرنے اور کرانے والے کن القابات سے بلائے جا سکتے ہیں۔ نفاذِ دین کا مطالبہ آئینی و قانونی ہے یا نہیں؟ میڈیا اس پر بات نہیں کرتا نہ ہی مذہب بیزار حکومتی زعما اور نام نہاد مبصرین اس حوالہ سے کسی بحث کو درست تصور کرتے ہیں۔ نجم سیٹھی، عاصمہ جہانگیر، نجم الدین شیخ، اقبال حیدر اور اکرم سہگل جیسے روشن خیال اس بات پر مُصر ہیں کہ نفاذِ دین کا مطالبہ کرنے والی ہر آواز خاموش کرا دینا ہی قومی مفاد کا تقاضا ہے۔ وہ خوش ہیں کہ صدر جنرل پرویز مشرف نے لال مسجد اور جامعہ حفصہ کے مذہب پسندوں کے خلاف جارحانہ اقدامات کا فیصلہ کیا۔ ان کے خیال میں لال مسجد اور جامعہ حفصہ کی تباہی سے ایک طاقت ور پیغام اُن قوتوں تک پہنچ گیا ہے جو آئین پاکستان میں دین اسلام کی متعین شدہ حیثیت کے مطابق اس کے نفاذ کا پرجوش انداز میں مطالبہ کرتے ہیں۔ پاکستان کے روشن خیالوں کے مطابق دین کا معاملہ انفرادی حیثیت رکھتا ہے۔ اگر کوئی اس پر عمل پیرا ہونا چاہے تو ہوتا رہے مگر سرکاری سطح پر اس کے نفاذ کا مطالبہ جمہوری نظام کی نفی، آزادیٔ اظہار پر قدغن اور اپنے من چاہے مذہب و نظریہ پر عمل پیرا ہونے کے حق سے انحراف اور انسانی حقوق سلب کئے جانے کے مترادف ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص یا گروہ آئین پاکستان کو بنیاد بنا کر نفاذِ اسلام کا مطالبہ کرتا ہے تو وہ قابل قبول ہرگز نہیں ہے۔ ۱۰؍ جولائی کو اسلام

آباد میں رونما ہونے والے سانحے کے حوالہ سے کئی جھوٹی سچی کہانیاں گردش میں ہیں تاہم کوئی باشعور شخص بھی اس یک طرفہ ناہموار حکومتی مؤقف پر اعتبار کرنے کو تیار نہیں کہ سانحۂ جامعہ حفصہ و لال مسجد کے ذمہ دار صرف ہٹ دھرم و بے لچک غازی برادران ہی تھے۔ مولانا عبدالعزیز اور مولانا عبدالرشید غازی کا سب سے بڑا جرم کیا تھا؟ یہی نا کہ انہوں نے احکام اسلام کے نفاذ کو انفرادی معاملہ سمجھنے والے روشن خیال قبیلے کے باطل نظریات پر کاری ضرب لگائی تھی۔ حکومتی سرپرستی میں ہوتی میراتھن دوڑ، فیشن شوز، مخلوط محافل موسیقی، جابجا کھلتے قحبہ خانوں، ڈانسنگ ہالوں، مساج سنٹرز اور عریانی و فحاشی پھیلاتے دیگر کئی اداروں پر انہیں سخت اعتراض تھا اور اس کے ذمہ داروں کے خلاف مزاحمت کو وہ اپنا دینی حق اور فریضہ سمجھتے تھے۔ لال مسجد اور جامعہ حفصہ کی چار دیواری میں نابود ہو جانے والوں کے مزاحمتی طرزِ عمل سے اکثریت متفق نہیں تھی۔ اور نہ ہی مسجد و مدرسہ میں اسلحہ کی جمع بندی اور نمائش کو ہی کسی ہوشمند نے درست عمل قرار دیا تھا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ طرزِ عمل کی بے ترتیبی کیا ایسا بھیانک جرم تھا کہ اس کی پاداش میں آپریشن سائلنس ناگزیر ہو گیا تھا؟ حقیقت یہ ہے کہ انتہا پسندی کے عنوان سے دین مخالف قوتیں گزشتہ چھے برسوں سے جس محاذ آرائی کا اہتمام چاہتی تھیں۔ اس کے باقاعدہ افتتاح کا حکم نامہ ۱۰ر جولائی کو جاری کر دیا گیا۔ جنوری ۲۰۰۷ء کے درمیان سات مساجد کی شہادت کا معاملہ باقاعدہ ایک سوچے سمجھے منصوبے کا حصہ تھا، سازش گروں کو بخوبی علم تھا کہ اس کا ردِ عمل ضرور ہوگا، چنانچہ اسی ردِ عمل کو بنیاد بنا کر ہی مہلت، ڈھیل یا مذاکرات کے جھولے جھلانے کا عمل دانستہ اختیار کیا گیا۔ سازش گر اچھی طرح جانتے تھے کہ لال مسجد و جامعہ حفصہ میں زیر تعلیم طلباء و طالبات کی اکثریت ان حرماں نصیب علاقوں سے تعلق رکھتی ہے جو گزشتہ چھے برسوں کے دوران صرف امریکی افواج کی زد پر ہی نہیں بلکہ واراون ٹیرر کے لنگر سے بندھی مجبور و بے بس پاک فوج کے نشانے پر بھی ہیں۔ اس کھیل کی بنت ہی ایسی رکھی گئی تھی کہ ایک واقعے کا ردِ عمل دونوں جگہ برابر رونما ہو سکے۔ ہمیں یہ اعتراف کر لینا چاہئے کہ منصوبے کا ہر مرحلہ سازش گروں کی منشا کے مطابق ہی طے ہوتا رہا۔ حکومتی زعماء ابھی تک حقائق تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہیں۔ لیکن الیکٹرانک میڈیا پر یہ بات سامنے آ چکی ہے کہ وزیراعظم شوکت عزیز نے ایک پریس بریفنگ کے دوران خود ارشاد فرمایا تھا کہ لال مسجد اور جامعہ حفصہ کے خلاف بھرپور آپریشن کی تیاری چھے ماہ پہلے ہی کر لی گئی تھی، لیکن مگرمچھ کے آنسو بہاتی معصوم صورت وزارتیں آخر وقت تک یہ راگ الاپتی رہیں کہ حکومت آپریشن کے بجائے مذاکرات سے تمام معاملات طے کرنا چاہتی تھی۔ لال مسجد اور جامعہ حفصہ کا قضیہ ختم ہوئے بھی دو ہفتے سے زائد عرصہ گزر چکا ہے لیکن ابھی تک سینکڑوں سوال تشنۂ جواب ہیں۔ کوئی حکومتی نمائندہ اس بات کو ماننے کے لئے تیار نہیں کہ پورے آپریشن کی نگرانی امریکی خفیہ ادارے کے ماہر شکاریوں نے کی تھی۔ ظلِ الٰہی کو اعلیٰ سطحی رابطوں کے ذریعہ بتایا جا رہا تھا کہ ہاتھ آیا شکار کسی محفوظ راستے سے نہیں نکلنا چاہئے۔ ملک کے نامور علماء کا وفد غازی عبدالرشید سے تقریباً تمام معاملات طے کر چکا تھا لیکن پس پردہ کام کرتی نادیدہ قوت نے ۱۱ گھنٹے طویل مذاکراتی محنت کو عین آخری چند لمحوں میں اکارت کر دیا۔ معتبر میڈیا ذرائع تصدیق کرتے ہیں کہ غازی عبدالرشید اپنے وفاداروں سمیت صبح ۱۰ بجے تک زندگی کی بازی ہار چکے تھے۔ لیکن ہولناک دھماکوں اور اندھی فائرنگ کا سلسلہ رات گئے تک جاری رہنے کی افواہیں پھیلائی گئیں۔ ''حامد میر'' اور ''طلعت حسین'' جیسے باخبر صحافی اپنے متعدد

پروگراموں میں جتنے حقائق منکشف کر چکے ہیں اس کے بعد وزارت مذہبی اموراور وزارت داخلہ کی من گھڑت کہانیوں پر یقین کرنا کسی کے لئے بھی ممکن نہیں رہا۔ دونوں صحافی اعتراف کرتے ہیں کہ غازی عبدالرشید نے رختِ سفر باندھتے ہوئے آخری بیان میں اپنے پاس موجود اسلحہ اور طلباء وطالبات کی جو تعداد بتائی تھی اس کی سچائی ثابت کرنے کے لئے ہمارا نام نہاد آزاد میڈیا کوئی کردار ادا نہیں کر سکا۔ اس حوالے سے لکھنے اور بولنے والے ابھی تک دھمکیوں کی زد میں ہیں ان سے برابر کہا جا رہا ہے کہ مسجد و مدرسہ میں جنہیں مارا گیا وہ دہشت گرد تھے اور میڈیا پر دہشت گردوں کو بار بار دکھانا، ان کا تذکرہ کرنا انہیں ہیرو بنانے کے مترادف ہے۔ لہٰذا اس کرید اور تحقیق کو بند کیا جائے کہ مرنے والے کتنے تھے؟ ان کی لاشوں کو کس طرح اور کہاں دفنایا گیا؟ یہ بھی مت بتاؤ کہ جامعہ حفصہ کے فاتحین جب سب کچھ اپنے قدموں تلے روند چکے تھے تو اس وقت کتنے لوگ زندہ تھے۔ جنہیں جینے کی مہلت نہیں دی گئی۔ ابھی تک ان نامعلوم غیر ملکیوں کی تصدیق بھی نہیں ہو سکی جنہیں آپریشن سائلنس کی بنیاد قرار دیا گیا اور جن کے بارے میں ظلِ الٰہی نے ارشاد فرمایا تھا کہ دہشت گردوں کے ساتھ معاملات طے کئے جا سکتے اور نہ ہی حکومتی رٹ کو چیلنج کرنے والوں کو معافی دی جا سکتی ہے۔ مجھے نہیں معلوم کسی میڈیا نمائندے نے ان سے یہ پوچھنے کی جسارت کی یا نہیں کہ اگر قتل کے نامزد مجرموں پر عنایات خسروانہ ہو سکتی ہیں انہیں سنگین نوعیت کے مقدمات کے باوجود اعلیٰ عہدوں پر متمکن کیا جا سکتا ہے، اگر ایک ٹیکسی ڈرائیور کے قتل کے جرم میں سپریم کورٹ سے موت کی سزا پانے والے ''طاہر حسین'' کو Safe Passage (محفوظ راستہ) دے کر برطانیہ روانہ کیا جا سکتا ہے، اگر بھارتی حکومت اپنے ۶۰ مسافروں کی جان بچانے کے لئے مسعود ازہر جیسے انتہائی مطلوب شخص کو اس کے ساتھیوں سمیت رہا کر سکتی ہے تو کیا غازی عبدالرشید کے جرائم ایسے بھیانک تھے کہ ان کے ساتھ ایسا سلوک روا نہیں رکھا جا سکتا تھا؟ حکومتی زعماء دہائی دیتے رہے کہ ہم تمام طلباء وطالبات کی جانیں بچانا چاہتے ہیں مگر پھر دو ہزار میں سے ۱۳۰۰ کے قریب نکل آنے والے خوش نصیبوں پر ہی اکتفا کیوں کر لیا گیا اور کم و بیش سات سو طلباء طالبات کو دائرۂ انسانیت سے خارج کر دینے کی حکمت عملی کس شعبہ دماغ نے مرتب کر ڈالی؟ اعجاز الحق، آفتاب شیرپاؤ، طارق عظیم، چوہدری شجاعت، وزیر اعظم شوکت عزیز اور صدر پرویز مشرف تک 10 جولائی کی شب ہونے والے آخری فیصلہ میں کون کتنا با اختیار تھا اس کا اعلان پہلے امریکی سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کے نمائندے ''ٹام کیسی''، نائب وزیر خارجہ ''رچرڈ باؤچر'' اور پھر خود کنگ آف وار اون ٹیرر ''جارج ڈبلیو بش'' نے کر دیا ہے۔

صدر مشرف، وزیر اعظم شوکت عزیز اور وزیر خارجہ خورشید قصوری گو کہ وضاحتیں پیش کر رہے ہیں کہ لال مسجد کے حوالہ سے ہم پر کوئی بیرونی دباؤ نہیں تھا۔ ہم نے جو کچھ کیا اپنے ملکی اور قومی مفاد اور حکومتی رٹ قائم کرنے کے لئے کیا۔ اگر حکومتی مؤقف کو درست مان لیا جائے تو پھر ۱۱؍ جولائی سے ۲۱؍ جولائی تک امریکی انتظامیہ کی جانب سے صدر مشرف کو مسلسل تہنیتی پیغامات کیوں موصول ہو رہے ہیں؟ ۲۱؍ جولائی کو اپنے ہفتہ وار ریڈیو خطاب میں صدر بش نے بات مزید واضح کر دی ہے کہ ''لال مسجد سمیت عسکریت پسندوں کے خلاف پاکستان کی کارروائیاں امریکی مہم کا حصہ ہیں۔ پاکستان سے انتہا پسندی اور قبائلی علاقوں سے القاعدہ کی محفوظ پناہ گاہوں کے خاتمے کے لئے صدر مشرف کی کوششوں کی بھرپور حمایت کرتے ہیں۔'' (روزنامہ اسلام ۲۲؍ جولائی ۲۰۰۷ء)

گزشتہ سات برسوں سے اس ملک اور قوم کے ساتھ ایک خطرناک کھیل کھیلا جا رہا ہے اور جو لوگ اس کھیل کے تمام

ہلاکت آمیز پہلوؤں سے بہت پہلے آگاہ تھے۔ وہ دہائی دیتے رہے کہ پاکستان کو بھی عراق بنانے کی سازش کی جارہی ہے۔ انہوں نے کہا تھا کہ امریکہ اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کے لئے پاکستان میں ایک فوجی حکمران کو صرف اس لئے برسر اقتدار دیکھنا چاہتا ہے تاکہ وہ اس کے ہاتھ میں طاقت کا چابک دے کر پوری قوم کو بھیڑ بکریوں کی طرح ناہموار راستوں پر اندھا دھند ہانک سکے۔ لیفٹیننٹ جنرل ریٹائرڈ حمید گل، لیفٹیننٹ جنرل ریٹائرڈ اسد درانی، جنرل مرزا اسلم بیگ، بریگیڈیئر ریٹائرڈ عبدالرحمٰن، جنرل نصیر اللہ بابر جیسے عسکری ماہرین کے علاوہ دیگر کئی اہل رائے حضرات برملا کہہ رہے ہیں کہ ایک گہری سازش کے تحت پاکستان کو خونریزی کی طرف دھکیلا جارہا ہے پاکستان کو عراق وافغانستان جیسے حالات سے دوچار کرنے کی مذموم کوششیں کی جارہی ہیں۔ سانحۂ جامعہ حفصہ کے بعد شمالی وزیرستان امن معاہدے کے حوالہ سے اعلیٰ امریکی عہدیداروں کے جو بیانات سامنے آئے ہیں یا مسلسل آرہے ہیں۔ کیا وہ ان مخلصین ومحبِ وطن لوگوں کے بیان کردہ خدشات کی تصدیق نہیں کرتے کہ روشن خیالی، اعتدال پسندی کا ایجنڈا محض ایک گمراہ کن اعلامیہ ہے اور اس کی آڑ میں پاکستان کی مذہبی، سیاسی، سماجی، معاشرتی اقدار ہی تبدیل کرنا مقصود نہیں بلکہ اس علاقہ کا پورا جغرافیہ بدلنے کی سازش پر عمل درآمد بھی ہورہا ہے۔ انتہا پسندی اور روشن خیالی کے عنوان سے وطنِ عزیز کو ایک ایسے اجتماعی انتشار کی طرف دھکیلا جارہا ہے جس کا منطقی انجام عراق جیسی سول وار پر ہی منتج ہوگا۔ حالیہ دنوں ملک بھر میں خودکش بم دھماکوں کا تباہ کن سلسلہ یہی ثابت کرتا ہے کہ امریکہ بہادر ہمیں جس نہج تک لانا چاہتا تھا ہم خواہی نہ خواہی ٹھوکرے کھاتے وہاں تک آپہنچے ہیں۔ دوسری طرف اسلام آباد سے تازہ ترین اطلاعات یہ موصول ہورہی ہیں کہ فاتحین لال مسجد وجامعہ حفصہ کی سرخروئی کے بعد اب وہاں سے تباہ شدہ عمارتوں کا ملبہ اٹھایا جارہا ہے۔ ۲۲؍جون کی صبح نشر ہونے والی خبروں میں بتایا گیا ہے کہ اس ملبے میں انسانی کھوپڑیوں، ادھ کٹے بازوؤں اور ٹانگوں کے علاوہ طالبات کے زیر مطالعہ رہتے قرآن مجید اور حدیث وفقہ کی کتابوں کا ایک انبار بھی شامل ہے۔ جسے مختلف مقامات پر ٹھکانے لگایا جارہا ہے۔ سڑکوں پر موجود عوام اور میڈیا کی بڑی تعداد آپریشن سائیلنس کی باقیات کا مشاہدہ کررہی ہے۔ مجھے نہیں معلوم وزارت مذہبی امور نے یہ دل دہلا دینے والے مناظر ٹی وی سکرین پر دیکھے ہیں یا نہیں۔ میں یہ بھی نہیں جانتا کہ ہسپتالوں اور دیگر امدادی سنٹروں میں آویزاں مستند سرکاری فہرستوں میں اپنے لاپتہ پیاروں کے نام ڈھونڈتے ان بدنصیبوں تک بھی یہ اطلاع پہنچی ہے یا نہیں کہ ابھی کئی سوختہ جانوں کے بکھرے وجود اُس ملبے کا حصہ ہیں جسے سی ڈی اے کی گاڑیاں اسلام آباد کے ان گندے نالوں میں پھینک رہی ہیں۔ جہاں ایلیٹ کلاس کے محلات سے نکلتی غلاظت بہتی ہے۔ ہوسکتا ہے اس خاک وراکھ کے ڈھیر میں ملفوف جسموں کے ٹکڑوں میں سے کوئی ایک ان کے پیاروں کا بھی ہو؟ کیا پاکستان کا ایک ادنیٰ شہری جان کی امان طلب کرکے ظلِ الٰہی سے یہ سوال کرنے کی جسارت کرسکتا ہے کہ قرآن مجید کے کتنے نسخے، حدیث وفقہ کی کتنی کتابیں سرکاری فہرستوں میں درج نہ ہونے والی کتنے طلباء وطالبات کی ریزوں میں بٹی بے نام لاشوں کی بے حرمتی کا حساب کون دے گا؟ کیا ان خاک وراکھ بن جانے والے بدقسمتوں کے ساتھ ایسا ناروا مذاق اور بے رحم دل لگی کوئی مناسب طرزِ عمل ہے۔ انسانی حقوق کے علمبردار روشن خیال اعتدال پسند اس بے رحم رویہ کے بارے میں سوچیں یا نہ سوچیں۔ مگر ہم کب سوچیں گے؟

پروفیسر خالد شبیر احمد

یہ ''رِٹ'' کی رَٹ کب ختم ہوگی؟

ہر روز موجودہ حکومت کی ''رِٹ'' چیلنج ہوجاتی ہے اور حکومت کو ''رٹ'' بحال کرنے کے لیے فوج کا استعمال کرنا پڑتا ہے۔ یا تو پاکستان کے لوگوں کو ''رٹ'' چیلنج کرنے کی عادت پڑ گئی ہے یا پھر حکومت والے ہی رٹ بحال کرنے کے عادی ہوگئے ہیں۔ اور یہ کسی چیز کی شدت سے عادی ہوجانا کوئی اتنی اچھی بات بھی نہیں ہے کہ جس پر فخر و اطمینان کا اظہار کیا جائے کہ دیکھو ہم ہر روز صبح سویرے رٹ بحال کرنے کے لیے نکلتے ہیں اور شام تک رٹ کو بحال کرکے رکھ دیتے ہیں۔ ہم پروفیسروں میں سے جو پروفیسر روزانہ لڑکوں کو جرمانہ کرتا یا پھر کلاس سے باہر نکال دیتا تھا' نالائق اور نااہل سمجھا جاتا تھا کہ یہ پروفیسر کیا ہے جو روزانہ تین چار لڑکوں کو جرمانہ کردیتا ہے اور پانچ سات لڑکوں کو کلاس سے باہر نکال دیتا ہے۔ عقل منداور باشعور لوگ کہتے ہیں کہ اختیار کا استعمال کوئی کمال نہیں' بلکہ کمال تو یہ ہے کہ آپ کے پاس اختیارات ہوں لیکن آپ کو اختیار کے استعمال کی ضرورت ہی نہ پڑے۔ لیکن جن کا آئیڈیل ہی مصطفی کمال ہو انہیں تو یہ کمال کرکے دکھانا ہے۔ شاید وہ یہ سمجھتے ہیں کہ پاکستان بھی ترکی ہے یہاں بھی اذان عربی کی بجائے کسی اور زبان میں تبدیل کی جاسکتی ہے

ایں خیال است و محال است وجنوں۔ مصطفی کمال نے تو بزعم خویش یہ کمال اس لیے کر دکھایا تھا کہ اس نے سرزمین ترکی کو قوت بازو سے حاصل کیا تھا اور اس لحاظ سے وہ اس وقت قوم کے ہیرو تھے۔ انہوں نے سیکولرازم کے لیے جو کچھ کیا لوگوں نے کسی حد تک اسے برداشت بھی کیا۔ لیکن یہ ملک جسے پاکستان کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے کسی فوجی جرنیل نے تو فتح کر کے ہمیں نہیں دیا تھا۔ بلکہ یہ ملک اللہ اور رسول کے نام پر لیا گیا تھا۔ اور اگر اس وقت اللہ اور رسول کے نام پر ووٹ حاصل نہ کیے جاتے تو شاید یہ ملک معرض وجود میں ہی نہ آتا۔

اب ساٹھ برس اس ملک کو قائم ہوئے گزر گئے ہیں اور صورت حال یہ ہے کہ جو لوگ یہاں پر اسلام کا نام لیتے ہیں، شریعت کے نفاذ کا تقاضا کرتے ہیں انہیں فوجی جوانوں کے ذریعے شہادت کے مرتبے سے ہمکنار کر دیا جاتا ہے۔ کیا یہ فوج کا جائز استعمال ہے یا پھر ناجائز استعمال، اس کا فیصلہ تو آنے والا وقت کرے گا کہ وقت سب سے بڑا جج ہے اور جو فیصلہ وقت کرتا ہے وہی درست فیصلہ ہوتا ہے۔ جیسا کہ وقت نے اب فیصلہ کر دیا ہے کہ تحریک پاکستان میں صرف اسلام کا نام استعمال کیا گیا تھا وہ لوگ اسلام کے لیے نہ اس وقت مخلص تھے نہ اب مخلص ہیں۔ اس لیے کہ جو کچھ اسلام چاہتا ہے یہ لوگ نہیں چاہتے اور جو کچھ یہ لوگ چاہتے ہیں اس کی اجازت اسلام نہیں دیتا۔ جہاں اتنا تضاد ہو وہاں پر مفاہمتی صورت کیسے پیدا ہوسکتی ہے۔ دراصل جو لوگ شروع سے لے کر آج تک اس ملک کی مسندِ اقتدار پر قبضہ کیے ہوئے ہیں وہ سارے

کے سارے ہی اسلام سے عملاً باغی تھے اور جو آج حکمرانی کی مسندِ پر براجمان ہیں وہ تو بڑے دھڑلے سے دین اسلام کی ایک ایک بات سے اختلاف کرتے ہیں۔ دین دشمنی ان کی گھٹی میں موجود ہے۔ دین کے خلاف ایک مہم چلا رکھی اور مولوی بے چارے کو خواہ مخواہ نشانہ بنایا جارہا ہے ان بے وقوفوں سے کوئی پوچھے کہ کیا مولوی یا علمائے دین نے کوئی اپنی طرف سے دین بنایا ہے۔ کیا پردہ کا حکم قرآن میں موجود نہیں؟ کیا عیاشی اور فحاشی کی اجازت اسلام دیتا ہے؟ کیا شراب کی ممانعت دین اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات میں موجود نہیں؟ کیا جوا، زنا اور سُود کا کوئی جواز دین اسلام کے کسی حوالے سے پیش کیا جاسکتا ہے؟ اگر ایسا نہیں ہے اور یقیناً نہیں ہے تو پھر مولوی کو کیوں نشانۂ تنقید بنایا جارہا ہے۔ دراصل ان میں اتنی جرأت تو ہے نہیں کہ اسلام کے خلاف کوئی بات کہیں یہ مولوی کو انتہا پسند اور دہشت گرد کہہ کر اسلام کے خلاف اپنے دل کی بھڑاس نکال لیتے ہیں۔ حالانکہ نہ مولوی انتہا پسند اور نہ ہی دہشت گرد بلکہ یہ خود انتہا پسند ہیں۔ لال مسجد کا سانحۂ عظیم دین اسلام کے خلاف ان کے خبثِ باطن کی بیّن دلیل ہے۔ جس کے بعد اب اس بات کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی کہ یہ لوگ صرف ظالم اور جابر ہی نہیں ہیں بلکہ انہوں نے امریکہ اور مغربی طاقتوں کو خوش کرنے کا ٹھیکہ لے رکھا ہے۔ یہ لوگ کرائے کے قاتل ہیں۔ جتنے ادھر قتل کرتے ہیں اتنے ہی اُدھر سے ڈالر کی شکل میں وصول کر لیتے ہیں۔ جب لال مسجد کا اپریشن جاری تھا اسی دوران دو ایف سولہ طیاروں کی خبر بھی آ گئی کہ وہ پاکستان پہنچ گئے ہیں اور دس طیارے اگلے سال تک پاکستان کو مزید مل جائیں گے۔ آپ کو یاد ہوگا کہ یہ وہی طیارے ہیں جو پچھلے کئی برسوں سے پاکستان کو نہیں مل رہے تھے حالانکہ اس کی قیمت تک وصول کر لی گئی تھی۔ لال مسجد کے آپریشن سے امریکہ اتنا خوش ہو گیا کہ اس نے فوراً دو طیارے پاکستان کے سپرد کر دیئے۔ اب سوچنے والے یہ بات سوچ سکتے ہیں کہ جس اقدام سے امریکہ اور اس کے ساتھ اس کی چہیتی لیڈر رہ جو دنیا میں اپنی خواہش اقتدار کے لیے چُوں چُوں کرتی پھرتی ہے' اتنی خوش ہو، کیا وہ اقدام ملک وملت کے لیے درست ہوسکتا ہے؟ ہر گز نہیں۔

جس ملک میں قاتل اور مجرموں کو گورنر کے عہدے پر فائز کر دیا جاتا ہو۔ ان لوگوں کو رشوت کے طور پر وزارتیں دے جاتی ہوں جن پر غبن اور بدعنوانی کے مقدمات ہوں اُس ملک میں مولانا عبدالعزیز اور مولانا عبدالرشید غازی شہید کے ساتھ کوئی رعایت نہیں برتی جاسکتی بلکہ انہیں قتل کرنے کے لیے مسجدوں کا تقدس مجروح کرنے، معصوم بچوں کا قتل، عورتوں کا قتل اور ان کے خلاف غلط، گمراہ کن اور بے بنیاد، جھوٹا اور فریب پر مبنی ہر قسم کا جھوٹ بولنا جائز اور درست ہے۔ یہ کہنا بھی درست ہے کہ وہاں پر دو درجن افراد جیکٹوں کے ساتھ خودکش بمبار موجود ہیں۔ وہاں پر غیر ملکی القاعدہ اور طالبان کے افراد موجود ہیں۔ یہ وہی بات ہے جو انہوں نے اپنے استاد، اپنے مرشد امریکہ سے سیکھی ہے، جس نے عراق پر حملہ کرنے کے لیے یہ کہنا شروع کر دیا تھا کہ عراق کے اندر انتہائی مہلک اسلحہ موجود ہے جس طرح وہ اسلحہ آج تک عراق سے

برآمد نہ ہوا۔ اسی طرح وہ غیر ملکی اور خود کش بمبار بھی انہیں نہیں ملے۔ لوگ پوچھتے ہیں کہ ان غیر ملکی اور خود کش بمبار لوگوں کو زمین کھا گئی یا پھر آسمان نے اُچک لیا ہے وہ کہاں گئے، کہیں دیکھیے آپ ہی کے گردونواح میں نہ ہوں کیونکہ خوشامدی لوگ خودکش بمبار سے زیادہ مہلک ہوسکتے ہیں۔

میرے خیال کے مطابق لال مسجد کا یہ عظیم سانحہ پاکستان کا ''نائن الیون'' ہے۔ جس طرح ''نائن الیون'' کے بعد امریکہ کے مذموم مقاصد کھل کر سامنے آئے اور ان مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے دنیا کا امن تباہ و برباد کر کے رکھ دیا گیا۔ بالکل اسی طرح لال مسجد کے اس سانحے کے بعد حکومت کے وہ مقاصد اب سامنے آئیں گے جن کی خاطر یہ سب کچھ ہوا۔ میڈیا کی نظروں سے ہر بات اوجھل رکھی گئی تا کہ عوام تک کوئی بات نہ پہنچے کہ اندر کیا ہو رہا ہے کتنے لوگ اس معرکے میں شہید ہوئے' اس کی کسی کو خبر نہیں۔ ایک روایت کے مطابق ایک ایک گڑھے میں کئی کئی افراد کی لاشیں دفن کر دی گئیں ہیں۔ ان باتوں کی تصدیق و توثیق کے لیے ہمارے پاس کیا وسائل ہیں ایک سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ دنیا کے اندر تو ایسے واقعات میں میڈیا کو شامل رکھا جاتا ہے۔ تا کہ حقیقت حال لوگوں کو معلوم ہوتی رہے۔ یہاں پر آخر وہ کونسی مصلحتیں تھیں کہ میڈیا کو ہر واقعے سے دور رکھا گیا۔ '' کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے''

اس جانکاہ واقعہ سے ایک اور بات بھی بالکل واضح طور پر سامنے آگئی ہے کہ پاکستان میں کوئی جمہوریت نہیں، کوئی پارلیمنٹ نہیں، کوئی وزیراعظم نہیں ہے اور کوئی کابینہ نہیں بلکہ یہاں پر فردِ واحد کی حکومت ہے۔ وہ جو چاہتا ہے کر گزرتا ہے۔ وہ معاہدہ جس پر وزراء اور علماء کا اتفاق ہوا تھا۔ مولانا زاہد الراشدی کے بیان کے مطابق رات ساڑھے بارہ بجے چوہدری شجاعت حسین ایوان صدر لے گئے تو تبدیل ہو کر آ گیا۔ آخر اس معاہدے جس پر خود مولانا عبدالرشید غازی شہید نے بھی اپنی رضامندی کا اظہار کر دیا تھا کیوں مسترد کیا گیا۔ کیا یہ بچاؤ واحد راستہ ایک فرد نے ضائع نہیں کیا جو علماء کرام نے بڑی محنت اور کاوش کے بعد تیار کیا تھا اور جس کے ذریعے سینکڑوں جانوں کو بچایا جا سکتا تھا۔ لیکن نہیں بچایا گیا اس لیے کہ اوپر سے حکم یہی تھا۔

یہ تو ان لوگوں کا کارنامہ ہے جو دین اور دین والوں کو نہیں دیکھنا چاہتے۔ یہ لوگ اگر کسی کے منہ پر ڈاڑھی اور ماتھے پر محراب دیکھ لیں تو غصے سے لال پیلے ہو جاتے ہیں۔ یہ چاہتے ہیں کہ ان لوگوں کو جنگ آزادی میں جس طرح انگریزوں نے اجمیر سے لے کر دہلی تک گلے میں پھندے ڈال کر درختوں سے لٹکا دیا تھا' ان کو بھی درختوں سے لٹکا دیا جائے۔ جو لوگ اس ملک میں دین دار کہلاتے ہیں، دین کا درد رکھتے ہیں۔ کیا ان کے لیے لال مسجد کا یہ عظیم سانحہ لمحۂ فکریہ نہیں ہے؟ کیا وہ اس سیاسی دلدل سے نکل کر حکومتِ الٰہیہ کے قیام کے لیے لوگوں میں تبلیغ و تحریک کا کام شروع کرنے کے لیے تیار ہیں؟ مجلس احرار اسلام نہ تو کسی سیاسی جماعت کی حریف ہے نہ ہی حلیف۔ مجلس احرار اسلام کی دوستی اور دشمنی

خدا کی رضا کے لیے ہے۔ آیئے! مل کر پاکستان کے اندر احیائے اسلام کی تحریک کو ایک نئے ولولے اور نئے جذبے کے ساتھ آگے بڑھائیں یہی ان شہداء کو خراجِ تحسین پیش کرنے کا واحد طریقہ ہے جو اس معرکے میں کام آئے۔ جمہوریت کے ذریعے کبھی بھی اسلام کی راہیں صاف نہیں ہوں گی۔ یہ جمہوریت ہے جسے بحال کرانے کے لیے جمہوریت پسندوں نے تحریکیں چلائیں لیکن انہیں مارشل کے سوا کچھ نہیں ملا اور اسی جمہوریت کے بارے میں علامہ اقبال نے جو کچھ نظم ونثر کی صورت میں پیش کیا ہے وہ اس بات کی دلیل ہے کہ جمہوریت سرمایہ داری کا لازمہ ہے۔ سرمایہ پرستوں کے ہاتھ میں وہ ہتھیار ہے جس سے وہ غریب لوگوں کا معاشی استحصال کرتے ہیں۔ انہیں غربت کی دلدل میں دھکیل کر خود عیش وعشرت کی زندگی بسر کرتے ہیں بعض تو غریب کے منہ سے نوالہ تک چھین لیتے ہیں۔ اقبال نے ایسے تو نہیں کہہ دیا تھا۔

اٹھو میری دنیا کے غریبوں کو جگا دو
کاخِ امراء کے در و دیوار ہلا دو
جس کھیت سے دہقاں کو میسر نہ ہو روزی
اس کھیت کے ہر خوشۂ گندم کو جلا دو
گرماؤ غلاموں کا لہو سوزِ یقیں سے
کنجشکِ فرومایہ کو شاہی سے لڑا دو

اور جمہوریت کے بارے میں بھی یہ بات کسی مولوی سے نے نہیں کہی بلکہ علامہ اقبال نہ ہی کہا ہے کہ۔

تو نے کیا دیکھا نہیں مغرب کا جمہوری نظام
چہرہ روشن اندروں چنگیز سے تاریک تر

☆☆☆

ماہانہ مجلس ذکر و اصلاحی بیان

5 اگست 2007ء
اتوار بعد نماز مغرب

دفتر احرار 69/C
وحدت روڈ نیو مسلم ٹاؤن لاہور

ابن امیر شریعت
حضرت پیر جی
سید عطاء المہیمن بخاری
دامت برکاتہم
(امیر مجلس احرار اسلام پاکستان)

نوٹ: ہر انگریزی ماہ کی پہلی اتوار کو بعد نمازِ مغرب مجلس ذکر و اصلاحی بیان ہوتا ہے

تحریک تحفظ ختم نبوت (شعبہ تبلیغ) مجلس احرار اسلام لاہور فون: 042-5865465

سیف اللہ خالد

اب استعفیٰ کون دے گا؟

کسے علم تھا کہ چیف جسٹس آف پاکستان کو عہدے سے ہٹانے کا یہ عمل عدلیہ کی کامل آزادی کا نقطہ آغاز بن جائے گا۔ سچ ہے کہ وہ خیر کو شر میں سے بھی پیدا کر دیا کرتا ہے اور پاکستان کے مقدر میں یہ خیر اسی طریقے سے لکھی تھی۔ ورنہ چیف جسٹس کو نہ چھیڑا جاتا تو نا معلوم کب تک نظریہ ضرورت کی زنجیریں اس باوقار ادارے کو جکڑے رکھتیں۔ نا معلوم کب تک قوم اس خوشخبری سے محروم رہتی۔

۹ رمارچ کی دوپہر تک بھی کوئی نہ جانتا تھا کہ عدلیہ کے ساتھ کیا ہونے جا رہا ہے۔ چینی کہاوت ہے کہ ہر بحران مواقع پیدا کرتا ہے۔ یقیناً ۹ رمارچ کو پیدا ہونے والے بحران نے بھی مواقع پیدا کیے اور بلاشبہ سپریم کورٹ کے معزز ججوں نے ان مواقع کو ضائع نہیں جانے دیا اور نصف صدی سے عدلیہ کے گرد لپٹی نظریہ ضرورت کی زنگ آلود زنجیریں توڑ ڈالیں۔ ایک سوال بہت اہم ہے کہ آخر اس سے پہلے بھی حکمران ججوں کو اسی طرح گھر بھیجتے رہے ہیں۔ چیف جسٹس حضرات کو بھی یک بینی و دو گوش گھر کی راہ دکھائی گئی مگر کوئی کرشمہ نہیں ہوا۔ ایسا نہیں کہ جسٹس افتخار واحد مردِ انکار تھے۔ اس سے قبل جسٹس صدیقی، ضیاء دور میں جسٹس یعقوب علی خان اور مزید کئی قابل احترام جج بھی یہی راہ اختیار کر چکے ہیں مگر فرق صرف یہ رہا کہ انھوں نے انکار کیا، عہدہ چھوڑا اور گھر جا بیٹھے۔ جسٹس افتخار نے دوسری راہ اختیار کی۔ انکار کیا، عہدہ نہیں چھوڑا اور ڈٹ گئے۔ نتیجہ یہ کہ قوم ان کے ساتھ کھڑی ہوگئی۔ ورنہ سچ تو یہ ہے کہ ان کے حق میں نعرے لگانے، مار کھانے والوں سے بھی اگر پوچھا جائے تو ان میں سے ۹۰ فیصد یہ جانتے تک نہیں کہ ان پر الزامات کیا تھے۔ اگر جانتے ہیں تو یہ علم نہیں رکھتے کہ ان کی حیثیت کیا تھی۔ سب کی ایک ہی رائے تھی۔ الزامات سچ بھی ہوں تو بھی زیادتی اور ظلم کے خلاف اٹھنے والے شخص کا ساتھ دینا چاہیے اور پھر پوری دنیا نے دیکھا کہ پاکستان کی تاریخ میں اتنا کسی کو پروٹوکول اور عزت نہیں ملی جتنی چیف جسٹس کے حصے میں آئی۔ یہ قوم کی بیداری تھی جس نے سپریم کورٹ کے جج حضرات کو راہ سجھائی اور حوصلہ دیا کہ وہ بھی ڈٹ جائیں اور نصف صدی سے بار بار لگایا جانے الزام دھوڈالیں۔ اس سارے قصور کو اگر ایک طائرانہ نگاہ سے دیکھا جائے تو جسٹس رمدے کا کردار بہت اہم رہا۔ انھوں نے انتہائی مہارت کے ساتھ مقدمے کو آگے بڑھایا اور حکومتی وکلاء خصوصاً مسٹر قصوری کی طرف سے بار بار عدالت میں دنگا فساد کی کوشش کو ناکام بنا ڈالا اور ان کے ہلکے پھلکے چٹکلے نہ ہوتے تو نا معلوم کورٹ روم کی کیفیت کیا ہوتی۔ اس مقدمے نے جہاں اور بہت کچھ واضح کیا ہے۔ وہیں آئین کے جادوگروں کو بھی یوں بے نقاب کر دیا ہے جیسے تیز بارش کے بعد لاہور اور کراچی کی سڑکیں بے نقاب ہو کر معماروں کا منہ چڑاتی ہیں۔ یہ بھی دیکھا گیا کہ خود کو جادوگر کہنے والے ایک کھری عدالت میں گنگ ہو کر رہ گئے اور ان کے

پاس اپنے مقدمے کے دفاع میں کہنے کو کچھ نہ تھا۔

آج اگر وزیر قانون کہتا ہے کہ حکومت نے دباؤ نہیں ڈالا تو غلط کہتا ہے۔ دو معزز جج حضرات کے ساتھ حکومتی وکیل کے ڈنر کی خبریں آؤٹ کرنا، ٹی وی چینلوں پر وزراء خصوصاً وزیر ''قنون'' اور دیگر کا ریفرنس پر الزام تراشی کرنا، عدالت میں مولوی اقبال حیدر کی خرافات، عدلیہ کے حوالے سے قابل اعتراض مواد کو سامنے لانا، یہ سب کیا تھا۔ دباؤ اور کسے کہتے ہیں۔ گن پوائنٹ پر لینا ہی دباؤ نہیں ہوتا۔ دباؤ کا ہر حربہ استعمال ہوا۔ قوم نے کھلی آنکھوں سے دیکھا اور محسوس کیا۔ مگر یہ جرأت عدلیہ کی ہے کہ اس نے کسی دباؤ کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے پوری آزادی کے ساتھ فیصلہ سنایا۔ سپریم کورٹ کے فیصلے کو وکلاء کے دباؤ کا نتیجہ بھی قرار نہیں دیا جاسکتا کہ اگر ایسا ہوتا تو بنچ میں شامل جسٹس بٹر کا اختلافی نوٹ نہ لکھ پاتے جن کے بارے میں حکومت کا دعویٰ ہے کہ ان کی بہن چیف جسٹس کی تحریک میں شامل ہے۔ جسٹس بٹر بھی اختلاف بتاتا ہے کہ ان کا فیصلہ بھی کسی دباؤ سے آزاد ہے اور ان کے ساتھیوں نے بھی آزادی سے فیصلہ کیا اور عدلیہ کے ماتھے پر لگا نظریہ ضرورت کا داغ دھوڈالا۔

اب کہا جاسکتا ہے کہ عدلیہ آزاد ہے اور اسے عوام کی مکمل تائید حاصل ہے۔ یہ اپنی نوعیت کا اچھوتا واقعہ ہے کہ پاکستان کا چیف جسٹس کسی منتخب سیاست دان سے بھی زیادہ وسیع عوامی حمایت رکھتا ہے۔ اس سے عوام کو یہ توقع پیدا ہونا لازمی امر ہے کہ اب آئین کی زنجیریں بھی کھلیں گی اور دیگر اداروں کو بھی آزادی نصیب ہوگی۔ اب عدلیہ پوری آزادی کے ساتھ ملک کے استحکام اور دفاع کا فریضہ سرانجام دے گی اور عوام کو حقیقی معنوں میں آزادی کا احساس ہوگا۔ لیکن دوسری طرف چیف جسٹس پر بھی بھاری بوجھ آن پڑا ہے کہ ایک طرف ان پر قوم کو آزادی دلوانے اور آئین کو مکمل بحال کرنے کی ذمہ داری ہے تو دوسری طرف انصاف اور ہر حال میں غیر جانبدار رہ کر فیصلے کرنے کی ذمہ داری بھی ان پر عائد ہوتی ہے۔ اب ان کو یہ خیال بھی رکھنا ہوگا کہ کسی فیصلے پر ذاتی رنجش کا گمان نہ ہو۔ بہر حال تمام جزئیات کو ایک طرف رکھتے ہوئے یہ عدلیہ اور پاکستان کی آزادی کا دن ہے اور توقع کی جانی چاہیے کہ حکومت اور عدلیہ اس مخاصمت کو بھول کر آگے بڑھیں گے۔

ایک اہم سوال یہاں یہ پیدا ہوتا ہے کہ وکلاء نے یک جان ہوکر ایک جنگ لڑی اور جیت لی۔ کیا ہمارے سیاست دان بھی ایسا کر سکتے ہیں؟ کیا انھیں سب نہیں سیکھنا چاہیے۔ مگر شاید ان کے مفادات اس قدر زیادہ ہیں کہ وہ متحد ہوکر قوم کو قیادت فراہم نہیں کر سکتے۔ کاش کہ وہ سبق سیکھیں اور اپنے نفس اور انا سے آزادی حاصل کرلیں۔

ایک بات اور بھی اہم ہے کہ سپریم کورٹ نے ریفرنس کو بدنیتی پر مبنی قرار دیا ہے۔ اس پر ایوانِ اقتدار سے کسی کو تو ذمہ داری کا مظاہرہ کرتے ہوئے استعفیٰ دے دینا چاہیے۔ کم از کم وزیر ''قنون'' یا سیکرٹری قانون کو۔

دوسرے یہ کہ ۹ مارچ کے اس بحران کے حوالے سے بہت سی باتیں کہی جارہی تھیں۔ صدر محترم کا بھی قوم سے ایک وعدہ ہے جو پورا ہونا چاہیے۔ انھوں نے گوجرانوالہ میں اپنے خطاب کے دوران کہا تھا: ''میرا منہ بند ہے فیصلے آئے گا تو بہت کچھ بتاؤں گا۔'' اب فیصلہ آچکا انھیں حقائق سے پردہ ضرور اٹھانا چاہیے قوم منتظر ہے۔

ڈاکٹر شاہد مسعود

کون تھیں؟ کہاں چلی گئیں؟

جرم تو صرف اتنا تھا کہ وہ معاشرے سے بدکاری کے خاتمے کا عزم لیے باہر نکلیں اور ایک قحبہ خانہ چلاتی عورت کو سبق سکھانے اپنے ساتھ لے آئیں اور دو تین روز بعد اُسے برقعہ پہنا کر توبہ کروا کے چھوڑ دیا۔ پھر ایک مالش کے مرکز پر جا پہنچیں اور وہاں جسم فروشی کرتی خواتین کو اپنے ہمراہ لاکر خوب جھاڑ پلائی اور پھر نصیحت کے بعد روانہ کر دیا۔ ڈنڈے لے کر گھومتیں مگر کسی کا سر تو نہ پھاڑا۔ اُس وطن عزیز میں جہاں حکمرانوں اور طاقتوروں میں سے ہر دوسری شخصیت کسی لینڈ مافیا سے وابستہ ہے۔ وہ مسجد شہید ہونے کے بعد پڑوس کی ایک لائبریری پر جا دھمکیں۔ روشن خیال، خوشحال، خوش پوش دارالحکومت کی عظیم الشان کوٹھیوں کے درمیان جن کی اکثریت رات گئے شراب و شباب کی محفلیں اپنے عروج پر دیکھا کرتی ہے۔ ایک کونے میں یہ معصوم، سادہ، حجاب میں ملبوس، پاکیزہ روحیں، تلاوتِ قرآن پاک میں مگن رہتیں۔

کون تھیں؟ کہاں چلی گئیں؟

میں جب اُن سے ملا تو اُن کے لہجے میں عجب اکتاہٹ اور محرومیت کا احساس ہوا۔ آنکھوں میں اداسیت، معاشرے سے شکایت اور بیزاری، سونے کے کنگنوں سے محروم کلائیوں اور نیل پالش سے محروم ہاتھوں میں ڈنڈے اُس بے کسی کا اظہار تھے جو غریب، سادہ لوح گھرانوں کی ان شریف اور باکردار بچیوں کی آنکھوں سے بھی کراہ رہی تھی۔ اُن کے طرزِ عمل سے ذرا سا اختلاف کرنے کی گستاخی ہوئی تو سب الجھ پڑیں: ''شاہد بھائی! آپ کو کیا پتا؟''، ''ڈاکٹر صاحب آپ نہیں جانتے، کسی آیت کا حوالہ، کسی حدیث کی دلیل، سب ایک ساتھ پل پڑیں: ''آپ کو پتا ہے امریکہ میں کیا ہو رہا ہے؟ یہ یہودیوں کی سازش ہے، ہمارے دشمنوں کی چال ہے، صلیبی جنگ ہے۔'' وغیرہ وغیرہ۔ میں بڑی مشکل سے انھیں اپنی غلطی تسلیم کرنے کے بعد چپ کروانے میں کامیاب ہو سکا۔ اُن کی نگران ام حسان نے اسی دوران بتایا کہ ''یہ طالبات ایک عرصے سے یہاں آئے مرد مہمانوں سے گفتگو نہیں کرتیں لیکن آپ سے ملنے کے لیے ان کی ضد تھی'' میں نے خاموشی مناسب تصور کرتے ہوئے ان کی گفتگو سننے میں عافیت تصور کی۔ یہ میرے لیے ایک مختلف دنیا تھی۔ شاید یہ فیشن زدہ، جدیدیت کی دلدل میں ڈوبی، ٹی شرٹ جینز میں ملبوس خوش شکل لڑکیوں کو ہر روز اپنے چھوٹے تاریک کمرے کے روشن دانوں سے جھانک کر باہر سڑک پر ڈرائیونگ کرتا دیکھتی ہوں۔ ممکن ہے قریبی بازار تک آتے جاتے ان کے کانوں تک بھی دلفریب نغموں کی تھاپ پہنچتی ہوگی، کچی عمروں میں یقیناً ان کی آنکھیں بھی خواب دیکھتی ہوں گی، ان کا دل بھی کبھی اچھے رشتوں کی آس میں دھڑکتا ہوگا۔ ان کا بھی عید پر نئے کپڑے سلوانے، ہاتھوں میں حنا سجانے اور چوڑیاں پہننے کو جی

للچاتا ہوگا۔لیکن اس طرح جا چھپیں کہ پھر نہ چہرے رہے، نہ شناخت۔صرف آوازیں تھیں جواب تک میرے کانوں میں گونجتی ہیں۔اِنھی میں ایک چھوٹی بچی، یہی کوئی آٹھ دس برس کی، حجاب میں اس طرح ملبوس کہ چہرہ کھلا تھا۔گفتگو سے مکمل ناواقفیت کے باوجود مسلسل ہنسے جاتی تھی کہ شاید یہی مباحثہ اُس کی تفریح کا سبب بن گیا تھا: بیٹی! آپ کا نام کیا ہے؟'' میرے سوال پر پٹ سے بولی: ''اسماء انکل'' پیچھے کھڑی اس کی بڑی بہن نے سر پر چپت لگائی: ''انکل نہیں بھائی بولو'' خدا جانے اُس میں ہنسنے کی کیا بات تھی کہ چھوٹے قد کے فرشتے نے اس پر بھی قہقہہ لگا کر دہرایا: ''جی بھائی جان'' ''آپ کیا کرتی ہیں؟'' میں نے ننھی اسماء سے پوچھا۔''پڑھتی ہوں''، ''کیا پڑھتی ہو بیٹا؟'' جواب عقب میں کھڑی بہن نے دیا: ''حفظ کر رہی ہے بھائی''، ''اور بھی کچھ پڑھائی رہی ہیں؟'' میں نے پوچھا: ''جی ہاں! کہتی ہے بڑی ہو کر ڈاکٹر بنے گی'' بہن نے جو کہ یہی کچھ پندرہ سولہ برس کی مکمل حجاب میں ملبوس تھی' جواب دیا۔''آپ دو بہنیں ہیں؟'' میں نے سوال کیا: ''جی ہاں بھائی'' بڑی بہن نے اسماء کو آغوش میں لیتے ہوئے کہا: ''تین بھائی گاؤں میں ہیں، ہم بٹ گرام سے ہیں نا کھیتی باڑی ہے ہماری''

میں جامعہ حفصہ اور لال مسجد میں ایک پروگرام کی ریکارڈنگ کے سلسلے میں موجود تھا۔طالبات اور عبدالرشید غازی صاحب سے گفتگو کے بعد میں نے بچیوں کو خدا حافظ کہہ کر غازی صاحب کے ساتھ اُن کے حجرے کی طرف قدم بڑھایا تو ننھی اسماء پیچھے بھاگتی ہوئی آئی ''بھائی جان! آٹو گراف دے دیں'' ہانپ رہی تھی: ''میرا نام اسماء اور باجی کا نام عائشہ ہے''۔میں نے حسبِ عادت دونوں کے لیے طویل العمری کی دعا لکھ دی۔آگے بڑھا تو ایک فرمائش ہوئی: ''بھائی جان! اپنا موبائل نمبر دے دیں۔آپ کو تنگ نہیں کروں گی۔'' نہ جانے کیوں میں نے خلافِ معمول اُس بچی کو اپنا موبائل نمبر دے دیا۔اُس کی آنکھیں جیسے چمک اٹھیں۔اسی دوران غازی صاحب نے میرا ہاتھ کھینچا: ''ڈاکٹر صاحب! یہ تو ایسے ہی تنگ کرتی رہے گی، کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے اور عبدالعزیز صاحب آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔'' بچی واپس بھاگ گئی۔اور میں مدرسے کے اندر تنگ گلیوں سے گزرتا، عقب میں غازی صاحب کے حجرے تک جا پہنچا۔جہاں انھوں نے کہا کہ ''ڈاکٹر صاحب! ایک زحمت! والدہ بھی آپ کو دعا دینا چاہتی ہیں۔'' کھانا ہم نے فرش پر دسترخوان بچھا کر کھایا اور اس دوران عبدالعزیز صاحب بھی شامل ہوگئے۔بات چیت ہوتی رہی اور جب میں نے رخصت چاہی تو انھوں نے اپنی کتابوں کا ایک سیٹ عطیہ دیتے ہوئے دوبارہ آنے کا وعدہ لیا۔اور پھر دونوں بھائی جامعہ کے دروازے تک چھوڑنے اس وعدے کے ساتھ آئے کہ میں دوبارہ جلد واپس آؤں گا۔حقیقت یہ کہ میں دونوں علماء کا استدلال سمجھنے سے مکمل قاصر رہا۔چند مسلح نوجوان اِدھر اُدھر گھوم رہے تھے۔مصافحہ تو کیا لیکن گفتگو سے اجتناب کرتے ہوئے آگے بڑھ گیا۔لیکن دروازے سے باہر قدم رکھتے وہی شیطان کی خالہ' اسماء اچھل کر پھر سامنے آگئی: ''بھائی جان! میں آپ کو فون نہیں کروں گی،

وہ کارڈ باجی کے پاس ختم ہوجاتا ہے نا۔ ایس ایم ایس کروں گی، جواب دیتے رہیے گا۔ پلیز بھائی جان!'' اُس کی آنکھوں میں معصومیت اور انداز میں شرارت کا امتزاج تھا۔ ''اچھا بیٹا ضرور۔ اللہ حافظ'' جاتے جاتے پلٹ کر دیکھا تو بڑی بہن بھی روشن دان سے جھانک رہی تھی کہ یہ دونوں بہنوں کی کل دنیا تھی۔

کون تھیں؟ کہاں چلی گئیں؟

جو احباب میری ذاتی زندگی تک رسائی رکھتے ہیں اور واقف ہیں کہ میں خبروں کے جنگل میں رہتا ہوں۔ دن کا بیشتر حصہ اخبارات، جرائد اور کتابوں کے اوراق میں دفن گزارتا ہوں۔ چنانچہ گزرے تین ماہ کے دوران بھی جہاں چیف جسٹس کا معاملہ پیچیدہ موڑ اختیار کرتا، اُن میں الجھائے رہنے کا سبب بنا۔ وہیں یہ مصروفیات بھی اپنی جگہ جاری رہیں۔ لیکن اس تمام عرصۂ وقفے وقفے سے مجھے ایک گمنام نمبر سے ایس ایم ایس موصول ہوتے رہے، عموماً قرآن شریف کی کسی آیت کا ترجمہ یا کوئی حدیث مبارکہ یا پھر کوئی دعا' رومن اردو میں اور آخر میں بھیجنے والے کا نام'' آپ کی چھوٹی بہن اسماء'' یہ سچ ہے کہ ابتداء میں تو مجھے یاد ہی نہیں آیا کہ بھیجنے والی شخصیت کون ہے؟ لیکن پھر ایک روز پیغام میں یہ لکھا آیا کہ'' آپ دوبارہ جامعہ کب آئیں گے؟'' تو مجھے یاد آیا کہ یہ تو وہی چھوٹی نٹ کھٹ حجاب میں ملبوس بچی ہے۔ جس سے میں جواب بھیجنے کا وعدہ کر آیا تھا۔ میں نے فوراً جواب بھیجا'' بہت جلد'' جواب آیا:'' شکریہ بھائی جان!''

میں اپنے موبائل فون سے پیغام مٹاتا چلا گیا تھا۔ چنانچہ چند روز قبل جب لال مسجد اور جامعہ حفصہ پر فوجی کارروائی کا اعلان ہوا تو میں نے بے تابی سے اپنے فون پر اُس بچی کے بھیجے پیغامات تلاش کرنے کی کوشش کی لیکن بدقسمتی سے میں سب مٹا چکا تھا۔ امید تھی کہ اسماء بڑی بہن کے ساتھ نکل گئی ہوگی لیکن پھر بھی بے چینی سی تھی، کوئی آیت، حدیث، دعا بھی نہیں آرہی تھی۔ اس تصور کے ساتھ خود کو تسلی دی کہ ان حالات میں جب گھر والے دور گاؤں سے آکر دونوں کو لے گئے ہوں گے تو افراتفری میں پیغام بھیجنے کا موقع کہاں؟ جب بھی اعلان ہوتا کہ'' آج رات کو عسکری کارروائی کا آغاز ہوجائے گا''،'' فائرنگ، گولہ باری کا سلسلہ شروع''،'' مزید طالبات نے خود کو حکام کے حوالے کردیا''،'' ابھی اندر بہت سی خواتین اور بچے ہیں''،'' یرغمال بنالیا گیا ہے'' وغیرہ وغیرہ تو میری نظر اپنے موبائل فون پر اس خواہش کے ساتھ چلی جاتی کہ کاش وہ پیغام صرف ایک بار پھر آجائے۔ میں نے جسے کبھی محفوظ نہ کیا۔

کون تھیں؟ کہاں چلی گئیں؟

۸ رجولائی کی شب اچانک ایک مختصر ایس ایم ایس موصول ہوا:'' بھائی جان! کارڈ ختم ہوگیا ہے پلیز فون کریں'' میں نے اگلے لمحے رابطہ کیا تو میری چھوٹی پیاری اسماء زاروقطار رو رہی تھی'' بھائی جان! ڈر لگ رہا ہے، گولیاں چل رہی ہیں، میں مرجاؤں گی'' میں نے چلا کر جواب دیا'' اپنی بہن سے بات کراؤ!'' بہن نے فون سنبھال لیا'' آپ دونوں فوراً باہر نکلیں۔ معاملہ خراب ہورہا ہے، کہیں تو میں کسی سے بات کرتا ہوں کہ آپ دونوں کو حفاظت سے باہر نکالیں۔'' دھماکوں کی

آوازیں گونج رہی تھیں۔ مجھے احساس ہوا کہ بڑی بہن نے اسماء کو آغوش میں چھپا رکھا ہے لیکن چھوٹی پھر بھی بلک رہی ہے ،رو رہی ہے۔'' بھائی! وہ ہمیں کیوں ماریں گے؟ وہ ہمارے مسلمان بھائی ہیں، وہ بھی کلمہ گو ہیں اور پھر ہمارا جرم ہی کیا ہے؟ آپ تو جانتے ہیں بھائی! ہم نے تو صرف باجی شمیم کو سمجھا کر چھوڑ دیا تھا۔چینی بہنوں کے ساتھ بھی یہی کیا تھا۔ بھائی! یہ سب ان کی سیاست ہے۔ہمیں ڈرا رہے ہیں۔'' بہن پر اعتماد لہجے میں بولی: ''دیکھیں! حالات برے ہیں، میں بتا رہا ہوں آپ فوراً نکل جائیں خدا کے لیے'' مجھے احساس ہوا کہ میں گویا انھیں حکم دے رہا ہوں۔'' بھائی! آپ یونہی گھبرا رہے ہیں ۔غازی صاحب بتا رہے تھے کہ یہ ہمیں جھکانا چاہ رہے ہیں۔ باہر کچھ بھائی پہرہ بھی دے رہے ہیں۔ کچھ بھی نہیں ہوگا ۔آپ دیکھئے گا۔اب فوج آگئی ہے نا۔ یہ بدمعاش پولیس والوں کو یہاں سے بھگا دے گی۔آپ کو پتا ہے فوجی تو کٹر مسلمان ہوتے ہیں۔وہ ہمیں کیوں ماریں گے؟ ہم کوئی مجرم ہیں، کوئی ہندوستانی ہیں، کوئی کافر ہیں، کیوں ماریں گے وہ ہمیں'' بہن کا لہجہ پر اعتماد تھا۔اور وہ کچھ بھی سننے کو تیار نہ تھی۔''ڈاکٹر بھائی! مجھے تو ہنسی آرہی ہے کہ آپ ہمیں ڈرا رہے ہیں۔آپ کو تو پتا ہے کہ یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہتا ہے، یہ اسماء تو یونہی زیادہ ڈر گئی ہے اور ہاں آپ کہیں ہم بہنوں کا نام نہ لیجیے گا۔ایجنسی والے بٹ گرام میں ہمارے والد، والدہ اور بھائیوں کو پکڑ لیں گے۔سب ٹھیک ہو جائے گا بھائی، وہ ہمیں کبھی نہیں ماریں گے۔''

میں نے دونوں کو دعاؤں کے ساتھ فون بند کیا اور نمبر محفوظ کر لیا۔اگلے روز گزرے کئی گھنٹوں سے مذاکرات کی خبریں آرہی تھیں اور میں حقیقتاً گزرے ایک ہفتے سے جاری اس قصے کے خاتمے کی توقع کرتا، ٹی وی پر مذاکرات کو حتمی مراحل میں داخل ہوتا دیکھ رہا تھا کہ احساس ہونے لگا کہ کہیں کوئی گڑ بڑ ہے۔میں نے چند شخصیات کو اسلام آباد فون کر کے اپنے خدشے کا اظہار کیا کہ معاملہ بگڑنے کو ہے تو جواباً ان خدشات کو بلا جواز قرار دیا گیا لیکن وہ درست ثابت ہوئے اور علماء کے وفد کی ناکامی اور چودھری شجاعت کی پریس کانفرنس ختم ہوتے ہی وہ عسکری کارروائی شروع ہوگئی جس کی قوت کے بارے میں موقع پر موجود ایک سرکاری افسر کا بیان تھا'' لگتا ہے پوری بھارتی فوج نے چھوٹے ملک بھوٹان پر چڑھائی کر دی ہے'' فائرنگ ، دھماکے، گولہ باری ،شیلنگ ، جاسوس طیارے، گن شپ ہیلی کاپٹرز ......خدا جانے کیا کچھ! اور پھر باقاعدہ آپریشن شروع کر دینے کا اعلان۔اس دوران عبدالرشید غازی سے بھی ایک بار ٹی وی پر گفتگو کا موقع ملا۔اور پھر پتا چلا کہ اُن کی والدہ آخری سانسیں لے رہی ہیں اور تبھی صبح صادق فون پر ایس ایم ایس موصول ہوا'' پلیز کال'' یہ اسماء تھی۔

میں نے فوراً رابطہ کیا تو دوسری طرف چیخیں، شور شرابہ، لڑکیوں کی آوازیں ''ہیلو اسماء بیٹی! ہیلو'' خدا جانے وہاں کیا ہو رہا تھا'' ہیلو بیٹی آواز سن رہی ہو'' میں پوری قوت سے چیخ رہا تھا۔''بات کراؤ کیا ہوا ہے؟''

وہ جملہ......آخری سانسوں تک میری ساعتوں میں زندہ رہے گا۔ایک بلک بلک کر روتی ہوئی بچی کی رک رک

کر آتی آواز ''باجی مرگئی ہے، مرگئی ہے باجی'' اور فون منقطع ہو گیا۔ اسٹوڈیوز سے کال آرہی تھی کہ میں صورتحال پر تبصرہ کروں لیکن میں بار بار منقطع کال ملانے کی ناکام کوشش کر رہا تھا۔ کچھ کہنے یا سننے کی ہمت نہ تھی۔ کسی کمانڈو جیسی طاقت، اعجاز الحق جیسی دیانت اور طارق عظیم جیسی صداقت نہ ہونے کے باعث مجھے ٹی وی پر گونجتے ہر دھماکے میں بہت سی چیخیں، فائرنگ کے پیچھے بہت سی آہیں اور گولہ باری کے شور میں ''بھائی جان! یہ ہمیں کیوں ماریں گے؟'' کی صدائیں سنائی دے رہی تھیں۔ چھوٹے چھوٹے کمروں میں دھواں بھر گیا ہوگا اور باہر فائرنگ ہو رہی ہوگی۔ بہت سی بچیاں تھیں۔ فون نہیں مل رہا تھا۔ پھر عمارت میں آگ لگ گئی اور میں اسماء کو صرف اس کی لاتعداد دعاؤں کے جواب میں صرف ایک الوداعی دعا دینا چاہتا تھا، ناکام رہا۔

فجر کی اذانیں گونجنے لگیں تو وضو کرتے ہوئے میں نے تصور کیا کہ وہ جو سیاہ لباس میں ملبوس مجھ سے خواہ مخواہ بحث کر رہی تھیں۔ اب سفید کفن میں مزید خوبصورت لگتی ہوں گی۔ جیسے پریاں۔

قحبہ خانوں کے سرپرستوں کو نوید ہو کہ اب اسلام آباد پرسکون تو ہو چکا ہے لیکن شاید اُداس بھی اور یہ سوال بہت سوں کی طرح ساری عمر میرا پیچھا کرے گا کہ

وہ کون تھیں؟ کہاں چلی گئیں؟

(دونوں مرحوم بچیوں سے وعدے کے مطابق اُن کے فرضی نام تحریر کر رہا ہوں)

(مطبوعہ: روزنامہ ''جنگ'' ۱۳؍جولائی ۲۰۰۷ء)

☆☆☆

گجرات میں مرکز احرار، مدرسہ و مسجد ختم نبوت کا قیام

ضلع گجرات نیو ماڈل ٹاؤن میں مسجد احرار کے قیام کے لیے ایک صاحب نے ایک کنال جگہ وقف کی اس کا سنگِ بنیاد ۶؍نومبر ۲۰۰۶ء کو امیر مجلس احرار اسلام پاکستان ابن امیر شریعت سید عطاء المہیمن بخاری مدظلہ اور نواسہ امیر شریعت سید محمد کفیل بخاری نے رکھا۔ اللہ پاک نے سید عطاء المحسن بخاری رحمہ اللہ کی آرزو کو پورا کیا۔ احباب و مخلصین اس دینی مرکز کی تعمیر میں تعاون فرمائیں۔

الداعی: حافظ ضیاء اللہ قریشی۔ منتظم مدرسہ محمودیہ ناگڑیاں ضلع گجرات

فون: 053-7650025۔ موبائل: 0301-6221750

عبداللہ طارق سہیل

''جگر لخت لخت''

پورے ملک پر ایک دردناک فضا چھائی ہوئی ہے۔صدمے کی ایک ناقابل بیان کیفیت ہے لوگ راتوں کو سو نہیں سکتے۔بچے ذہنی مریض بن گئے ہیں۔فیضؔ کے شہرۂ آفاق مرثیے (میرا خیال ہے یہاں یہ صحیح لفظ ہے) ''نثار میں تیری گلیوں پہ اے وطن کہ جہاں'' کا ایک مصرعہ بہت زیادہ یاد آیا:

کوئی نہیں جو سنے تیرے دردمندوں کی

یہ مرثیہ ۱۹۶۰ء کے یزیدی دور میں لکھا گیا تھا۔آج کے حالات تو اس وقت سے بھی ہزار گنا زیادہ دکھ دینے والے ہیں۔خیال آیا کہ فیض آج زندہ ہوتے تو کوئی اس سے بھی زیادہ دردناک مرثیہ لکھتے۔انسانی ذہن بھی عجیب ہے، ٹیپ پر یہ مرثیہ لگا دیا اور اور دھیان فوراً حالات سے ہٹ کر منیر حسین کی آواز کی طرف چلا گیا۔یہ وہ گلوکار ہے جس نے بہت کم گیت گائے ہیں لیکن جو بھی گایا، لوگوں کے ذہن پر نقش ہو گیا۔فیضؔ کے اس مرثیے میں مایوسی، دکھ اور بے بسی کا احساس ایک ایک لفظ میں بولتا ہے۔اسی طرح منیر کی گائیکی اداسی اور ویرانی کی ایسی تصویر بناتی ہے جس کی مثال مشکل سے مل سکتی ہے۔اس کی آواز ان ویران کھنڈروں کی یاد دلاتی ہے جہاں کبھی زندگی چہچہاتی اور نغمے بکھیرتی تھی لیکن اب وہاں دن کو صرف سناٹے شور کرتے اور راتوں کو سیار چیختے ہیں۔

☆☆☆

قاف لیگ کے ''معصوموں'' کو عوامی ردِّعمل کا اندازہ نہیں تھا۔وہ سامنے آیا تو انھوں نے خبریں چھپوانی شروع کر دی ہیں کہ ایک معصوم ٹی وی پر رو پڑا اور دوسرا معصوم گھر میں تنہائی میں روتا رہا۔یہ سوال پوچھنے کی ضرورت نہیں کہ کوئی تنہائی میں رویا تھا تو رپورٹر کو کیسے پتا چلا۔کیا باتھ روم میں کیمرہ لگا ہوا تھا؟ ظاہر ہے کہ تنہائی میں رونے کی خبر پریس ریلیز کے ذریعے بتائی گئی تھی۔خیر، دونوں ''معصوموں'' کی خدمت میں ایک شعر پیش ہے:

بہت سادہ بڑے معصوم ہو تم
ذرا دھبے تو دیکھو آستیں کے

☆☆☆

باکمال وزیر داخلہ شیر پاؤ عرف خیر پاؤ اور ان سے بھی باکمال ترجمان وزارت داخلہ جمع انچارج کرائسز مینجمنٹ (؟) سنٹر بریگیڈیئر جاوید اقبال نے جامعہ کے کھنڈروں سے چار دن بعد دس غیر ملکیوں کی لاشیں برآمد کر لی ہیں۔صرف یہی نہیں مرحوم غازی عبدالرشید کی والدہ کی جلی ہوئی نعش بھی پیدا کر لی ہے۔لیکن ان دونوں برآمدات کی

اصلیت بھی فوراً ہی کھل گئی۔انھوں نے اس طالب علم کو بھی غیر ملکی قرار دے دیا جو کوہٹہ سے پڑھنے آیا تھا اور اس کا والد بھی زندہ ہے۔یاد ہوگا۔بے مثال دور کی شروعات پر ایک جنرل نے لاہور کو بھارت کا حصہ قرار دے دیا تھا۔بریگیڈیئر اس سے بھی بازی لے گیا۔پاکستان کی ایٹمی صلاحیت کے مرکز کہوٹہ کو غیر ملکی شہر قرار دے دیا۔اسی طرح غازی عبدالرشید کی والدہ جس کمرے میں جاں بحق ہوئیں' وہاں تو آگ ہی نہیں لگی تھی لیکن دونوں باکمالوں نے جلی ہوئی لاش برآمد کر لی۔حکومت کو چاہیے کہ دونوں کو تمغہ ہائے حسن کارکردگی سے نوازے۔ایک آدھ تمغے سے حق ادا نہیں ہوسکتا' تمغوں سے بھری ہوئی پوری ایک بوری ان کی نذر کی جائے۔

☆☆☆

رات کو بیشتر لوگ یہ اطمینان لے کر سوگئے کہ لال مسجد کا مسئلہ پر امن طور پر حل کر لیا گیا ہے، معاہدہ تحریر ہو رہا ہے۔صبح اٹھ کر لوگ یہ معلوم کر کے سکتے میں آ گئے کہ شدید ترین آپریشن سے مدرسہ و مسجد کا کمپلیکس تہس نہس ہو چکا ہے اور لاشوں اور زخمیوں کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں۔آخری لمحے پر مذاکرات ناکام ہو گئے؟ کیوں؟

مذاکرات کامیاب ہوئے نہ ناکام۔مذاکرات تو ایک چال تھے۔شجاعت کو لال مسجد والوں کے پاس اسی مقصد کے لیے بھیجا گیا تھا۔وہ اکبر بگٹی کے پاس بھی تو گئے تھے۔''مذاکراتی'' ریکارڈ قرار رہا۔

بلاشبہ آپریشن کامیاب رہا۔کم از کم بھنگڑہ گروپ کی حد تک جو مذاکراتی عمل میں شجاعت کا رفیق کار تھا۔اس نظریئے کو ایک بار پھر پڑھ لیجیے جو کئی مرتبہ پہلے بھی پیش ہو چکا ہے کہ کوئی دوسرا ملک یا کوئی دوسری حکومت ہوتی تو لال مسجد ایک آدمی مارے بغیر بھی اعصاب شکن گیس پھینک کر زیر کی جاسکتی تھی اور دہشت گرد پکڑے جاسکتے تھے۔اب کتنے دہشت گرد ہاتھ آئے اور کتنے مارے گئے؟ ہلاکتوں کی تعداد جتنی زیادہ ہوگی، بھنگڑا گروپ کے نزدیک کامیابی اتنی ہی زیادہ ہوگی۔

شجاعت کہتے ہیں غازی نے آخر میں نئی شرائط پیش کر کے کام خراب کیا۔وہی بتا دیں کہ ان کی بات پر اعتبار کیا جائے یا مفتی تقی عثمانی کی بات پر جو کہتے ہیں غازی نے کوئی شرط پیش نہیں کی۔آخر میں معاہدے کا ڈرافٹ بدل دیا گیا جس سے اس کی بنیادی روح ہی ختم ہوگئی۔بات صرف اتنی ہے کہ مذاکرات چال تھے۔مرد حق مرد مومن جونیئر کو مبارک ہو، وہ کئی دنوں تک بھنگڑا ڈال سکتے ہیں۔یقیناً ان کے لیے اس بات کی کوئی اہمیت نہیں کہ کتنی لاشیں دہشت گردوں کی ہیں کتنی بچوں، عورتوں، طلبہ اور طالبات کی۔

اگر آپریشن اس طرح کامیاب ہوتا جس طرح دوسرے ملکوں میں ہوتے ہیں تو یہ ایک بڑی خبر ہوتی کہ دہشت گردوں کا ایک ٹھکانہ بے گناہوں کی جانیں محفوظ رکھتے ہوئے سر کر لیا گیا ہے۔موجودہ شکل میں یہ بڑی خبر نہیں، بری خبر ہے۔خدا خیر کرے۔دہشت گردوں کی تعداد سرکاری اندازوں کے مطابق آپریشن سے پہلے جو بتائی گئی تھی۔۳۰ سے ۵۰ تھی۔ان میں سے کچھ پکڑے گئے ہیں۔اس لحاظ سے کل لاشوں کی گنتی کر کے حساب لگایا جاسکتا ہے کہ بے گناہ مرنے والے کتنے تھے۔یہ سوال حکومت سے پوچھنے کی ضرورت نہیں کہ اگر کم سے کم جانی نقصان کی حکمت عملی یہ ہے تو زیادہ

جانی نقصان کی حکمت عملی کیا ہوتی ہے۔

مولانا رشید غازی نے پاکستان اور اسلام کو بہت بدنام کیا۔حکومت نے پاکستان اور اسلام کی جو ''نیک نامی'' ؟اس کا حجم کتنا ہے، حساب کرتے رہیے! (روزنامہ ''ایکسپریس'' ۱۱رجولائی ۲۰۰۷ء)

☆☆☆

سانحہ لال مسجد میں سینکڑوں مرد، خواتین اور بچے متاثر ہوئے۔جن میں سے بہت سوں کا لاشہ بھی ثابت نہیں ملا۔ٹکڑے ٹکڑے تھا یا جل کر کوئلہ بن چکا تھا۔ان میں اتنی چھوٹی عمر کی بچیاں بھی شامل تھیں جنھیں یہ بھی علم نہیں تھا کہ انتہا پسندی کیا ہے اور روشن خیالی کسے کہتے ہیں۔بے نظیر سے عرض ہے کہ بے شک وہ غلام مصطفیٰ کھر کے اس بیان کو بھی توجہ کے قابل نہ سمجھیں کہ لال مسجد کے سانحے نے قوم کی بنیادیں ہلا دی ہیں اور یوسف رضا گیلانی کے اس بیان کو بھی مسترد کر دیں کہ لال مسجد میں بے گناہوں کا خون بہایا گیا۔بس اتنا خیال کر لیں کہ خوشی تو دشمن کے مرنے پر بھی نہیں کرنی چاہیے۔

☆☆☆

وزیراعظم نے کہا ہے کہ لال مسجد آپریشن کے دوران مرنے والوں میں کوئی خاتون یا بچہ شامل نہیں۔ایک نجی ٹی وی نے بتایا ہے کہ آپریشن میں مرنے والے ۲۸۵ بچوں اور عورتوں کی لاشیں سندھ، بلوچستان کولڈ سٹوریج میں رکھی گئیں۔بعد میں ان کو ی گڑھوں میں اجتماعی تدفین کی گئی۔

بظاہر بیان اور رپورٹ ایک دوسرے سے متصادم ہیں لیکن یہ تعبیر وتشریح کا معاملہ ہے۔جس طرح کوئی معاملہ کسی کے نزدیک صحیح، دوسرے کے نزدیک غلط ہوسکتا ہے اسی طرح عورت اور بچے کی تعریف بھی الگ الگ ہوسکتی ہے۔ممکن ہے حکومت نے عورت یا بچہ ہونے کی شرائط مقرر رکھی ہیں۔جامعہ حفصہ میں مرنے والی عورتیں اور بچے ان پر پورا نہ اترتے ہوں۔بے بی شو میں صحت مند اور خوبصورت بے بی دکھائے جاتے ہیں۔صومالیہ کے صحرا میں پڑے ہوئے ننھے منے ڈھانچے نہیں۔اسی طرح برقعہ پہنی ہوئی عورت حکومت کے نزدیک غیر عورت ہے اور غریب پشتونوں کے بچے تو کسی بھی صورت بچے کہلانے کے مستحق نہیں ہوسکتے۔

ماہانہ مجلس ذکر و اصلاحی بیان
26 اگست 2007ء
جمعرات بعد نماز مغرب
ابن امیر شریعت
حضرت پیرجی
سید عطاء المہیمن بخاری دامت برکاتہم
امیر مجلس احرار اسلام پاکستان
دارِ بنی ہاشم
مہربان کالونی ملتان
الداعی سید محمد کفیل بخاری ناظم مدرسہ معمورہ دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان
061-4511961

ذاکر اعظمی/ الریاض

اسلامی اعتدال پسندی کا امریکی معیار
ایک چشم کشار پورٹ

حال ہی میں معروف امریکی تحقیقی ادارہ (RAND Corporation) جس کی سرپرستی حکومتِ امریکہ سالانہ ۱۵۰ ملین ڈالر کے خطیر بجٹ سے کرتی ہے۔ اسلام اور مسلمانوں کے تعلق سے ایک تازہ ترین رپورٹ پیش کی ہے۔ مذکورہ رپورٹ کی تیاری میں تین سال کا عرصہ لگا جو ۲۱۷ صفحات پر مشتمل ہے اور اس کا عنوان ہے ''اعتدال پسند مسلم معاشرہ کا قیام'' (Buliding Moderate Muslim Networks) اس رپورٹ میں اسلام اور مسلمانوں کے تعلق سے جس جارحانہ انداز میں زہر افشانی کی گئی ہے وہ امریکہ اور اہل مغرب کے مذہبی تعصب اور انتہا پسندی کا آئینہ دار ہے۔ ذیل کی سطور میں ہم اس مبنی بر تعصب رپورٹ کے بارے میں تجزیہ پیش کرنے کی حتی المقدور کوشش کریں گے۔

اس تحقیقی رپورٹ کا لب لباب یہ ہے کہ عصر حاضر میں مغرب نواز اعتدال پسند مسلم قیادت کو کس طرح ابھارا جائے ،مسلمانوں کو ان کے اصلی سرچشمے یعنی قرآن وسنت سے کس طرح برگشتہ کیا جائے ،سیکولرزم اور مغربی افکار کو مسلم معاشروں میں کس طرح پروان چڑھایا جائے ، وہ کون سے وسائل ہیں جو مسلم نوجوانوں کے دلوں میں ان کے مذہب کے تعلق سے شکوک وشبہات پیدا کر سکتے ہیں اور ساری دنیا کے مسلمانوں کو اس بات پر کس طرح قائل کیا جائے کہ ان کی پستی اور زبوں حالی سے نجات صرف اور صرف امریکی اعتدال پسند اسلام کو اپنانے میں مضمر ہے۔

رپورٹ ہذا مسلم معاشروں میں ایک فکری ونظریاتی اسلامی انقلاب کی بات کرتی ہے جو امریکہ اور مغرب نواز ہو۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ اس سے قبل امریکہ صوفیت اور تقلیدی اسلام کو اہل مغرب کے لیے خطرہ نہیں تصور کرتا تھا لیکن مذکورہ رپورٹ کی روشنی میں بلا کسی تفریق کے ساری دنیا کے مسلمانوں کو امریکہ اور اہل مغرب کے لیے بطور چیلنج پیش کیا گیا ہے۔ جن کے خطرات سے نمٹنے کے لیے مسلم دنیا میں امریکہ کی جانب سے پیش کردہ اعتدال پسند اسلام یا امریکی اسلام کا انقلاب برپا کرنا ازحد ضروری ہے۔ اس مختصر سی تمہید کے بعد ہم اس رپورٹ میں زیر بحث آئے اہم نقاط پر ایک طائرانہ نظر ڈالتے ہیں۔

اسلام کی تشکیل نو:

اس رپورٹ کا سب سے خطرناک پہلو یہ ہے کہ اس کا مرکزی محور امریکہ کی عالمی سیاست ہے جس کا اصل ہدف شیعہ سنی اختلافات کو ہوا دینا، سعودی عرب اور دیگر مسلم ملکوں کے تئیں معاندانہ رویہ کو اختیار کرنا اور نہ صرف اسلام پسندوں بلکہ پورے اسلامی معاشرہ کو امریکہ کا ہم نوا بنانا ہے تاکہ ساری دنیا کے مسلمان امریکہ سے کندھا سے کندھا ملا کر چل سکیں اور بقول امریکہ عصر حاضر کے تقاضوں کو پورا کر سکیں۔ علاوہ ازیں مذکورہ رپورٹ اس بات پر زور دیتی ہے کہ کمیونزم کے سابقہ

تجربات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اعتدال پسند یا انتہا پسند مسلمان کے بجائے اسلام کے پورے ڈھانچہ کی اوور ہالنگ (Overhaluling) کی جائے اور سارے مسلمانوں کو ایک ہی زمرہ میں شمار کیا جائے اور انھیں اہل مغرب کے لیے ایک کھلا چیلنج تصور کیا جائے۔

واضح رہے کہ مذکورہ ادارہ کی ۲۰۰۴ء کی رپورٹ نے بش انتظامیہ کو سفارشات پیش کی تھیں کہ اسلام پسند یا شدت پسند مسلمانوں کے خلاف جنگ کو جیتنے کے لیے اشتراکی ذہن رکھنے والے مسلم گروپوں کی بھرپور مدد کی جائے تا کہ وہ شدت پسندوں سے برسر پیکار ہو کر ساری اسلامی دنیا میں اعتدال پسندی اور جدیدیت کے نام پر امریکہ اور مغرب کے مفادات کو تحفظ فراہم کر سکیں۔ اس کے برعکس موجودہ رپورٹ اعتدال پسند مسلم نیٹ ورک کے قیام کی پرزور اپیل کرتی ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا اصل مقصد اب نفس اسلام کو ہی تبدیل کرنا ہے کیوں کہ سابقہ تجربات کی روشنی میں مسلمان خواہ اعتدال پسند ہو یا شدت پسند وہ بحیثیت مجموعی اس شریعت محمدی پر ایمان رکھتا ہے جس پر ان کی دنیا و آخرت کی کامیابی کا سارا دارومدار ہے۔ لہٰذا اسلام کے ڈھانچہ کو تبدیل کیے بغیر مسلمانوں کی مذہبی سوچ میں تبدیلی پیدا کرنا سعی لاحاصل ہے۔

اعتدال پسندی کا امریکی معیار کیا ہے؟

مذکورہ رپورٹ کے مطالعہ سے یہ بات روز روشن کی عیاں ہوتی ہے کہ رپورٹ ہذا اسلام پسندوں، شدت پسندوں اور (Radical) مسلمانوں کے درمیان دانستہ طور پر شکوک وشبہات پیدا کرتی ہے اور اس بات پر زور دیتی ہے کہ لبرل اور اعتدال پسند مسلمانوں (Moderate and Liberal Muslims) کو ہر طرح کی مالی اور فکری امداد فراہم کی جائے، بحیثیت مجموعی اس رپورٹ کی روشنی میں امریکی اعتدال پسندی کی تعریف صرف ان مسلمانوں پر صادق آتی ہے جو امریکہ کی جانب سے وضع کردہ اعتدال پسندی کی مندرجہ ذیل شرائط پر پورے اترتے ہوں:

(۱) اسلامی شریعت کے نفاذ کو غیر ضروری سمجھنا۔

(۲) اس بات پر ایمان رکھنا کہ عورت شوہر کے بجائے (Boy Friend) کو اختیار کرنے میں کلی طور پر آزاد ہے۔

(۳) اقلیتی مذہب سے تعلق رکھنے والے شخص کو مسلم اکثریت والے ملک کے اعلیٰ منصب پر فائز ہونے کو جائز تصور کرنا۔

(۴) لبرل مسلمانوں کو حتی المقدور مدد کرنا اور ان کی حوصلہ افزائی کرنا۔

(۵) صرف دو طرح کے اسلامی رجحان کی تائید کرنا، ایک تقلیدی اسلام یعنی وہ مسلمان جو نماز کے علاوہ دین کے دوسرے امور سے بے بہرہ ہو، دوسرے وہ صوفی مسلمان جو قبر پرستی وغیرہ جیسی بدعات کو صحیح تصور کرتے ہیں۔ ان دونوں اسلامی رجحان کے علاوہ سارے اسلامی افکار کو وہابیت کے زمرے میں شمار کیا گیا ہے۔

یاد رہے کہ اسلام کا یہ تصور شرق اوسط میں امریکہ کے سابق سفیر ڈینس روس کی اس سفارش کی روشنی میں وضع کیا گیا ہے جس میں سیکولر یا لبرل اسلام کے فروغ پر زور دیا گیا ہے، جس کا مقصد ایسی سیکولر تنظیموں کا قیام ہے جو ہو بہو وہی دینی اور سماجی خدمات انجام دیں جو عام طور سے اسلامی تنظیمیں انجام دیتی ہیں خواہ وہ طبی کیمپ کی صورت میں ہو یا یتیموں کی کفالت کا مسئلہ وغیرہ۔

مذکورہ رپورٹ کا سب سے مضحکہ خیز پہلو یہ ہے کہ اعتدال پسند مسلمان کے معیار کو جاننے کے لیے سوال وضع کیے گئے ہیں جو مسلمان اس مندرجہ ذیل معیار پر پورا اترے گا وہی اعتدال پسند کہلائے گا۔

(۱) وہی جمہوریت قابل قبول ہوگی جو مغرب کے معیار پر پورا اترے گی۔

(۲) جمہوریت اسلامی اصول ومبادی سے متصادم ہے۔

(۳) اسلامی شریعت کا نفاذ اعتدال پسند اور انتہا پسند مسلمان کے درمیان خط فاصل ہے۔

(۴) اعتدال پسند مسلمان وہ ہے جو عورتوں کے حقوق کو عصر حاضر کے تناظر میں دیکھے نہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمودات کی روشنی میں۔

(۵) کیا آپ شدت پسندی کی تائید کرتے ہیں؟

(۶) کیا آپ جمہوریت کو اس کے وسیع تر یعنی مغرب کے وضع کردہ انسانی حقوق کے تناظر میں دیکھتے ہیں (جو اباحیت اور ہم جنسی جیسے قطیع اعمال کو جائز تصور کرتا ہے)؟

(۷) کیا آپ اس جمہوریت کے تعلق سے کچھ تحفظات رکھتے ہیں جو فرد کو تبدیلیٔ مذہب کی مکمل آزادی دیتی ہے؟

(۸) کیا آپ اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ انسان اپنا مذہب تبدیل کرنے میں پوری طرح سے آزاد ہے؟

(۹) کیا آپ اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ حکومت کی ذمہ داری صرف شریعت کے فوجداری (Criminal) پہلو کا نفاذ ہے؟ یا صرف شریعت کے سول کوڈ کو ہی نافذ کیا جانا چاہیے؟ کیا آپ اس بات کی تائید کرتے ہیں کہ اسلامی شریعت کے ماسوا دنیا کو دوسرے قوانین یعنی کیمونزم یا اشتراکیت وغیرہ کو اسلامی معاشرہ میں نافذ کیا جاسکتا ہے؟

(۱۰) کیا آپ اس امر پر یقین رکھتے ہیں کہ اقلیت سے تعلق رکھنے والا شخص مسلم معاشرہ میں اعلیٰ عہدہ پر فائز ہوسکتا ہے؟ کیا ایک غیر مسلم پوری آزادی کے ساتھ ایک اکثریتی مسلم ملک میں اپنی عبادت گاہ تعمیر سکتا ہے؟

انھیں سوالوں کے جوابات کی روشنی میں یہ متعین ہوگا کہ ایک مسلمان امریکی معیار کے مطابق اعتدال پسند ہے یا شدت پسند۔ علاوہ ازیں رپورٹ ہذا عالم اسلام میں پائے جانے والے اعتدال پسند مسلمانوں کی مندرجہ ذیل تین قسمیں بیان کررہی ہے:

(۱) اشتراکی ذہن رکھنے والے لبرل مسلمان جو مذہب کو سیاست سے جدا تصور کرتے ہیں۔

(۲) علماء دین سے عداوت رکھنے والے جن کے لیے اس رپورٹ میں ''اتاترکیین'' کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے اور تونسیا کی حکومت کو اس کا ہم نوا شمار کیا گیا ہے۔

(۳) وہ اسلام پسند جو مغربی جمہوریت اور اسلام کے مابین تصادم کو جائز تصور کرتے ہیں۔

اس ساری وضاحت کے بعد رپورٹ ہذا امریکہ کی نگاہ میں اعتدال پسند مسلمان کی تعریف کچھ اس طرح کرتی ہے ''یعنی وہ مسلمان جو مزاروں کی زیارت کرتے ہیں، تصوف کے قائل ہیں اور دین میں اجتہاد کو ناجائز تصور کرتے ہیں۔''

رپورٹ کا ایک بڑا حصہ یعنی دس ابواب میں سے دو ابواب اس بات پر زور دیتے ہیں کہ عالم اسلام میں پائے

جانے والے مختلف گروہوں کی دامے درمے سخنے مدد کی جائے اور اسلامی مراکز کو نظرانداز کیا جائے اور ان مراکز کی سرگرمیوں پر کڑی نظر رکھی جائے تاکہ امریکہ کی جانب سے مراعات یافتہ مغرب نواز اسلامی گروپ اس قدر مضبوط ہوجائیں کہ پورا عالم اسلام معروف اسلامی مراکز اور اداروں کی بجائے انھیں گروہوں سے دین اسلام کے بارے میں رہنمائی حاصل کرنے لگے اور نتیجہ امریکہ کی جانب سے پیش کردہ نام نہاد اعتدال پسند اسلام کو خوب پھلنے پھولنے کا موقع مل سکے۔

رپورٹ کا چھٹا باب اس بات پر زور دیتا ہے کہ ایشیا اور یورپ میں پھیلے ان گروہوں کا تجربہ کیا جائے، اس ضمن میں ان افراد اور جماعتوں کی فہرست پیش کی گئی ہے جن کے ساتھ مل کر کام کیا جاسکتا ہے اور انھیں ہر طرح کا مالی تعاون دیا جاسکتا ہے تاکہ وہ اسلام کی تصویر کو بگاڑ کر پیش کرسکیں۔ جس کی واضح مثال سعودی عرب کی ایک ویب سائٹ ہے جو اس بات کی تبلیغ کرتی ہے کہ کلمہ ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' کے بارے میں وارد احادیث ثابت شدہ نہیں ہیں۔ اس ویب سائٹ کو امریکہ بھرپور مالی تعاون دیتا ہے۔

مساجد کے کردار سے خوف:

رپورٹ کا پہلا باب یعنی مقدمہ اس بات پر زور دیتا ہے کہ مسلمانوں کو مسجد سے دور رکھا جائے۔ کیوں کہ مسجد ہی وہ منبر ہے جس سے مسلم امہ اپنے دینی معاملات میں رہنمائی حاصل کرتی ہے اور اگر مسجد کے کردار کو مسخ کردیا گیا تو گویا اسلامی شریعت کا دائرہ کار از خود محدود ہوکر رہ جائے گا۔ لہٰذا اس مقصد کے حصول کے لیے ان مبلغین کی مدد کرنا ضروری ہے جو مسجد کے باہر سے اپنی نام نہاد مذہبی سرگرمیاں جاری رکھتے ہیں اسی کے ساتھ ساتھ اسلامی جماعتوں کو فراہم کی جانے والی مالی امداد کی روک تھام ضروری ہے تاکہ ان کی سرگرمیاں محدود ہوکر رہ جائیں اور امریکہ کی جانب سے مراعات یافتہ اعتدال پسند یا تقلیدی اسلام کو ماننے والا گروپ پروان چڑھ سکے۔ واضح لفظوں میں اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام کی بیخ کنی کے لیے ضروری ہے کہ خود مسلمانوں کے اندر اسلام دشمنی کی تخم ریزی کی جائے اور عام مسلمانوں کو اعتدال پسندی کے نام پر دین اسلام سے متنفر کیا جائے۔

شاید یہی وجہ ہے کہ رپورٹ کا دوسرا باب سرد جنگ کے فلسفہ کو اپنانے پر زور دیتا ہے جیسا کہ اس کا کامیاب تجربہ امریکہ نے اشتراکیت کو زیر کرنے کے لیے سابقہ سوویت یونین میں کیا، بایں طور کہ کمیونسٹوں کے ایک گروہ کے اندر اس اشتراکی فکر کے خلاف نفرت کی آگ بھڑکائی اور انھیں باہم دگر برسرپیکار کرکے اشتراکیت کے چڑھتے سورج کو ہمیشہ کے لیے روبہ زوال کردیا۔

رپورٹ کا تیسرا باب اس امر کو زیر بحث لاتا ہے کہ اشتراکیت کے خلاف سرد جنگ میں استعمال کیے گئے حربے اور وہ حربے جو آج اسلامی فکر کو۔ نعوذ باللہ۔ صفحۂ ہستی سے مٹانے کے لیے استعمال ہورہے ہیں کے مابین کیا بنیادی فرق یا یکسانیت ہے؟ رپورٹ اس نتیجہ پر پہنچتی ہے کہ جس طرح سے اشتراکیت کے ساتھ تصادم کی نوعیت فکری تھی بالکل اسی طرح آج مغرب اور اسلام کے مابین محاذ آرائی اسی فکری انداز کی ہے اور جب تک مسلمانوں کو فکری طور پر زیر نہ کیا گیا، انھیں

سیاسی وعسکری میدان میں شکست دینا امرِ محال ہوگا۔

رپورٹ کی روشنی میں جہاں تک اشتراکی نظام اور اسلامی فکر کے مابین اختلاف کی بات ہے وہ یہ کہ اشتراکیت کے مقاصد واضح تھے جس کی بیخ کنی قدرے آسان تھی۔ اس کے برخلاف اسلامی فکر کسی ایک گروہ یا جماعت تک محدود نہیں کہ ان کو ہدف بنا کر ان کے خلاف محاذ آرائی کی جا سکے۔ رپورٹ کی سب سے اہم سفارش یہ ہے کہ ان اسلامی ممالک کے ساتھ براہِ راست تصادم نہ کیا جائے جن کے ساتھ امریکہ کے سیاسی اور اقتصادی مفادات وابستہ ہوں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ باوجود یہ کہ سعودی عرب میں پائی جانے والی وہابی یا سلفی فکر کو امریکہ مغربی افکار کے خلاف سب سے زیادہ خطرناک تصور کرتا ہے لیکن چونکہ سعودی عرب اور پڑوسی دیگر خلیجی ریاستوں کے ساتھ پٹرول کی صورت میں امریکہ کا بہت بڑا مفاد وابستہ ہے۔ لہٰذا ان ممالک کے ساتھ براہِ راست تصادم امریکی حکومت کے مفاد میں نہیں بلکہ ان ممالک پر فکری یلغار ہی کے ذریعے امریکی اثر ورسوخ کو باقی رکھا جا سکتا ہے۔ شاید یہی بنیادی سبب ہے کہ رپورٹ ہذا صراحت کے ساتھ ذکر کرتی ہے کہ عالم عرب میں جمہوریت کے فروغ کے لیے امریکہ کو خاصی دشواریوں کا سامنا ہے یا صحیح معنوں میں ان ممالک میں جمہوریت کا قیام امریکی مفاد کے ساتھ براہِ راست متصادم ہے۔

پانچویں باب میں امریکہ بہ صراحت یہ اعتراف کرتا ہے کہ ماضی میں اس نے اردن اور مغرب (مراکش) کی اعتدال پسند قوتوں کی تائید وحمایت کی (جن میں حزب العدالۃ والتنمیۃ جیسی سیاسی پارٹیاں سرفہرست ہیں) لیکن بقول رپورٹ ''افسوس اس بات کا ہے کہ جنھیں اعتدال پسند سمجھا گیا وہ کچھ اور نکلے۔'' اسی کے ساتھ یہ تحقیقی رپورٹ اس بات پر بھی زور دیتی ہے کہ تیل کی دولت سے مالا مال خلیجی ممالک پر کس انداز سے دباؤ ڈالا جائے کہ فکری اعتبار سے وہ امریکی اعتدال پسندی کو گلے لگالیں۔

علاوہ ازیں رپورٹ ہذا میں بعض عرب اور خلیجی ممالک میں پائے جانے والے اعتدال پسندوں کی ایک فہرست پیش کی گئی ہے جن کو امریکہ کی ایجنٹی پر آمادہ کرنا آسان ہوگا۔ اس مقصد کے حصول کے لیے ایسے نام نہاد اعتدال پسند ٹی وی چینل کا اجرا ازحد ضروری ہے جو مغرب کے ساتھ تعایش (Co-existence) کی ترویج وتبلیغ کے فریضے کو بخوبی انجام دے سکے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ یہ رپورٹ اسلام اور مسلمانوں کے تعلق سے بہت خطرناک اغراض ومقاصد کی حامل ہے جس میں صحیح اسلامی افکار کی جس جارحانہ انداز میں مذمت کی گئی ہے کسی صاحب غیرت مسلمان کے ضمیر کو جھنجھوڑنے کے لیے کافی ہے۔ اس رپورٹ کا لب لباب ان وسائل کو زیر بحث لانا ہے جن کے ذریعے مسلمانوں کو سوشل ازم یا الحاد کے راستے پر گامزن کرنا ہے۔ اس چھوٹے سے مضمون میں اس خطرناک رپورٹ کے اندر جس انداز سے اسلام اور مسلمانوں کے تعلق سے زہر افشانی کی گئی ہے کو سمونا دشوار گزار ہے مگر اس رپورٹ کے مرتب کا یہ قول ''اس کا مقصد اسلام اور مغرب کے مابین براہِ راست تصادم نہیں بلکہ عالم اسلام کو آپس میں برسرِ پیکار کرنا ہے'' ہمیں خوابِ غفلت سے بیدار کرنے کے لیے کافی ہے۔ (مطبوعہ: ماہنامہ ''دارالعلوم'' دیوبند (انڈیا) جولائی ۲۰۰۷ء)

سید کاشف گیلانی

حمد باری تعالیٰ

دیا ہے بے طلب مجھ کو ضرورت سے سوا تُو نے
خدا ہونے کا بے شک کر دیا ہے حق ادا تُو نے

کرم کیا کیا میں گنواؤں کیے جو جا بجا تُو نے
مرا دامن تہی ہونے سے پہلے بھر دیا تُو نے

مری آنکھوں کو آنسو بھی ملے تیرے خزانے سے
دیا ہے میرے سینے کو دلِ درد آشنا تُو نے

کوئی سب جان کر انجان بن جائے تو کیا کیجے
سزا ورنہ کسی کو بھی نہیں دی بے خطا تُو نے

خدا شاہد اُسے کوئی سہارا دے نہیں سکتا
بھری دُنیا میں جس کو کر دیا بے آسرا تُو نے

تری حکمت کے آگے فلسفی لاچار ہیں یا رب
فقط اِک کُن سے پیدا کر دیئے ارض و سما تُو نے

تری رحمت سے جو اِنکار کرتا ہے وہ کافر ہے
کرم سے کر دیئے اچھے مریضِ لا دوا تُو نے

خداوندا ! اُنھیں تُو عِلم سے بھی بہرہ ور کر دے
عطا کی رہبری کی جن کو دستار و قبا تُو نے

وہ جس کو اِس جہاں میں کوثر و تسنیم ملتے تھے
مجھے رندِ محبت کا بنایا ہم نوا تُو نے

میجر (ر) سعید اختر

بحضورِ سرورِ کونین (صلی اللہ علیہ وسلم)
میں مسلمان ہوں!

میں کس زبان سے دعویٰ کروں محبت کا
کہاں سے حوصلہ لاؤں میں استقامت کا
قدم قدم پہ ہے لغزش ، نفس نفس مجروح
اٹھائے پھرتا ہوں اک بوجھ میں ندامت کا
تھا حق تو یہ کہ نکلتا لیے ہتھیلی پہ سر
حساب ایسے چکاتا تری اہانت کا
میں کیسے بیٹھ رہا گھر میں بے تعلق سا
الاؤ بھڑکا نہ کیوں غیرت و حمیت کا
دریدہ دہنوں کے چہرے بگاڑتا ایسے
نشان ملتا نہ کوئی بھی اُن کی ہیبت کا
سکھاتا ایسا سبق اِن زباں درازوں کو
اعادہ کرتا نہ کوئی پھر اِس جسارت کا

مگر حضور! میں مجبور و بے کس و نادار
ذہن غلام ، بدن مضمحل ، شکارِ وَہن
میرا امیر ہے دلدادہ مغربیت کا
میرے کبیر کا ایمان فقط ہے دولت و دَہن
تیرا طریق جو ایماں کی شرطِ اوّل تھا
جدید ذہن اُسے کہہ رہے ہیں طرزِ کہن
وہ خصلتیں جن سے اجتناب لازم تھا
میرے شعار میں لازم ہوئیں بصورتِ فن
وہ بیبیاں کہ جو تھیں وارثِ حیائے بتول
ردائیں چھین کے اُن کی لے گیا فیشن

ترے علوم کے وارث کبھی جو علماء تھے
رگڑتے پھرتے ہیں دہلیزِ زر پہ اَنف و ذَقَن
میرا شعور ، میری فکر ، میری طرزِ حیات
میری معاش کے بدلے میں ہو چکے ہیں رہن
وہ شعلہ رو کہ عدو جن سے کانپ اٹھتا تھا
مثالِ کاہ ہوئے لہو کے رقص میں وہ مگن

حضور! پھر سے عطا ہو وہی طریقِ حیات
کہ جس کا مرکز و محور فقط ہو آپ کی ذات
میری نظر کو ' ضیا سے تری فروغ ملے
ملے غلامی میں تیری ، دل و جگر کو ثبات
تیری حیات نظر سے کبھی نہ اوجھل ہو
جھکا سکیں نہ مجھے خواہشوں کے لات و منات
مجھے عطا ہو وہی قوت و شکیبائی
ہوئے تھے قیصر وکسریٰ کے جس سے لشکر مات
مجھے امیر ملیں عمرؓ اور علاءؓ جیسے
کہ جن کے حکم سے چلتے تھے رودِ نیل و فرات

میرے جوانوں کو اسلاف کی وہ خُو مل جائے
وہ آرزو ، وہ تمنا ، وہ جستجو مل جائے
جہاں میں نکلیں تو عزت سے سر اٹھا کے چلیں
وہ تمکنت ، وہ تدبر ، وہ آبرو مل جائے
قدم اٹھیں جو کبھی راہِ شیطنیت پر
تو اُن کو قرآں سے حکم فاتقوا مل جائے
وہ راہِ حق میں چلیں رکھ کے سر ہتھیلی پر
زمانہ جو بھی کہے ، شرفِ جاھدوا مل جائے
دہر میں انگلی اٹھے کوئی ذاتِ اقدس پر
وہ جان واریں ، تیری ذات روبرو مل جائے

ڈاکٹر ریاض مجید

امیرِ شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمتہ اللہ علیہ

گلشنِ شاداب میں اک سوختہ تن وہ بھی تھا
قبر تک خالی گیا جو ایک دامن وہ بھی تھا

بھول بیٹھے ہیں جسے نوواردانِ قافلہ
داستانِ عزم کا ایک بابِ روشن وہ بھی تھا

یاد ہے اہلِ چمن تم کو تو وہ عہدِ خزاں
بے قرار و مضطرب بہرِ نشیمن وہ بھی تھا

آج تک لرزاں ہیں جس کی لَے سے اذہانِ فرنگ
ملتِ خوابیدہ کے سینے کی دھڑکن وہ بھی تھا

ہے امانت دار جس کے نور کے اپنے چراغ
اُس ٹھٹھرتی رات میں اک شعلہ بہ دامن وہ بھی تھا

اُس کے لہجے کی طراوت تھی چمن اندر چمن
کچھ خبر ہے باعثِ تزئینِ گلشن وہ بھی تھا

ہوتے جاتے تھے سبھی گرویدہ جس ساحر کے سب
کیا اسلوبِ سخن تھا ، لہجۂ فن وہ بھی تھا

مصلحت کیشوں کے انبوہِ فراواں میں ریاضؔ
جو نہ جھکتا تھا کبھی ' اک مردِ آہن وہ بھی تھا

شورش کاشمیریؒ

سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ

مولانا ابوالکلام آزادؒ کے پیرائیہ بیان کو ملحوظ رکھیں تو سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ ستمبر ۱۸۹۲ء مطابق ربیع الاول ۱۳۱۰ھ میں ہستیٔ عدم سے اس عدم ہستی نما میں وارد ہوئے اور ''تہمتِ حیات'' سے متہم۔ ددھیال کی طرف سے عطاء اللہ اور ننھیال کی جانب سے شرف الدین احمد نام رکھا گیا۔ عوام نے ''ڈنڈے والا پیر'' کہنا شروع کیا۔ عقیدت مند صرف شاہ جی کہتے ہیں۔ حضرت علامہ انور شاہ کشمیری نور اللہ مرقدہ نے انجمن خدام الدین لاہور کے سالانہ اجلاس میں ''امیر شریعت'' کا لقب تجویز کیا۔ خود بیعت فرمائی۔ ان کے علاوہ پانچ سو علماء نے بھی بیعت کی، جن میں مولانا ظفر علی خان مدیر ''زمیندار'' بھی شامل تھے۔

اسلافِ خاندان بخارا سے سری نگر وارد ہوئے۔ سلطان زین العابدین والئی کشمیر کے زمانہ میں انہیں بڑا رسوخ حاصل تھا۔ ان کی رحلت پر خاندان کی شاخیں ہندوستان کے دوسرے مقامات میں بس گئیں۔ ایک شاخ نے گجرات میں اور دوسری نے پٹنہ میں قیام کیا۔ آپ کے والد بزرگوار کی شادی اسی شاخ کے ایک بزرگ حکیم سید احمد شاہ اندرابی کی دختر فرخندہ اختر سیدہ فاطمہ اندرابی سے ہوئی۔ آپ ابھی بچے ہی تھے کہ انکا انتقال ہوگیا۔ ان کی رحلت پر والد پٹنہ سے گجرات چلے گئے اور دوسری شادی کر لی۔ شاہ جی ننھیال ہی میں رہے جہاں نانی مرحومہ نے بیٹی کی نشانی سمجھ کر بڑی شفقت سے پالا۔ آپ کے نانا ابا کا مقام شعروادب کی محفلوں کا مرکز تھا۔ شاد عظیم آبادی آپ کی نانی صاحبہ سے محاورہ اور روزمرہ کی صحت کے لیے تشریف لاتے تھے۔ ان کی صحبتوں سے آپ نے بھی استفادہ کیا۔ رفتہ رفتہ شعروشاعری اور زبان کا ذوق منجھ گیا۔

غالبًا نانی صاحبہ کی وفات پر آپ نے پٹنہ سے گجرات کا قصد کیا۔ اثنائے سفر میں موانعات پیش آتے رہے ایک آدھ جگہ ملازمت بھی کی کچھ دنوں بنارس میں چاندی کے ورق کوٹتے رہے۔ حتیٰ کہ امرتسر پہنچ گئے۔ وہاں مختلف اساتذہ سے قرآن، حدیث اور فقہ پڑھی۔ خوش الحان اور خوش الحانی کا یہ جوہر آپ کو نانا مرحوم سے ورثہ میں ملا تھا۔ وعظ شروع کیا تو سارا امرتسر گرویدہ ہوگیا۔ پہلی جنگ عظیم کے خاتمہ پر اہالئی امرتسر کو گولیوں کا تحفہ ملا تو ملک میں ایک طوفان کھڑا ہوگیا۔ مولانا داؤد غزنوی کی تحریک پر آپ نے تحریک خلافت میں شمولیت اختیار کی۔ دیکھتی آنکھوں تمام ملک میں آپ کی خطابت کا شہرہ ہوگیا۔ حتیٰ کہ ہندوستان میں یہ بات متفق علیہ ہوگئی کہ اردو زبان میں آپ سے بڑا کوئی عوامی خطیب نہیں۔

شاہ جی اور خطابت ہم نشیں ہیں۔ آپ نے تقریباً تیس یا بتیس برس (قید کا زمانہ چھوڑ کر) اس دشت پیمائی میں بسر کیے ہیں۔ برصغیر کی تقریباً دو نسلیں آپ کے لولوئے لالہ سمیٹ چکی ہیں۔ لاکھوں آدمیوں کو آپ کی سیاست سے اختلاف رہا۔ اب بھی اختلاف کرنے والوں کی کمی نہیں لیکن کوئی سا شخص بھی اس سے اختلاف نہیں کرے گا کہ خطابت ان کی لونڈی ہے۔ وہ بولتے نہیں موتی رولتے ہیں۔ ان کی برجستہ گوئی، ان کی حاضر جوابی، ان کی بذلہ سنجی، ان کی نکتہ آفرینی، ان

کی زبان دانی، ان کی شعروسخن سے دلچسپی غرض:

ہزاروں خوبیاں ایسی کہ ہرخوبی پہ دم نکلے

درحقیقت وہ ایک چلتا پھرتا شرعی انسائیکلوپیڈیا ہیں اردو، فارسی، پنجابی کسی زبان میں بھی ان کی طبیعت بند نہیں وہ ایک بحرِ مواج ہیں۔ ان کا کوئی صدف موتی سے خالی نہیں۔ بلا شبہ ان کا نام ڈیما ستھینز، سسرو، مینڈ برک، صہبا، ابن غزال اور سعد زاغلول کے ساتھ لیا جاسکتا ہے۔ انہوں نے خطابت اختیار نہیں کی بلکہ خطابت نے انہیں اختیار کیا ہے۔ برصغیر کی بہت سی تحریکیں انہوں نے جگمگائی ہیں۔ وہ زبان و بیان کا ایسا مرقع ہیں جس میں رنگا رنگ تصویریں ہیں۔ ان کی خطابت کو نگارخانے سے تشبیہ دی جاسکتی ہے۔

ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است

ایک خوبصورت وجود میں عنفوان شباب کی جو رعنائیاں ہوتی ہیں وہ تمام تر انکی خطابت میں ہیں۔ انہوں نے اپنے خیالات کی سزا بھی بھگتی ہے، انگریزوں سے بھی اور مسلمانوں سے بھی۔ لیکن انگریزوں کی سزائیں ان کی متاع عزیز ہیں۔ مسلمانوں سے انہیں کوئی گلہ نہیں وہ اس کے ڈانڈے تیرہ سو برس کی تاریخ کے مختلف حلقوں سے ملاتے ہیں۔ اس وقت ان کی عمر پینسٹھ برس کے لگ بھگ ہے اس حساب سے انہوں نے ہفتہ میں سے ڈیڑھ دن قید و بند میں بسر کیا ہے:

خورد افسوس زمانے کہ گرفتار نہ بود

ان کی نجی محفلیں باغ و بہار ہوتی ہیں:

اک ذرا چھیڑیئے پھر دیکھیے کیا ہوتا ہے

تمام رات بیت جائے گی لیکن وہ بولنے سے نہیں تھکتے اور آپ سننے سے نہیں تھکیں گے۔ جب آتش جواں تھا، وہ شروع رات سے پو پھٹنے تک تقریر کرتے اور لوگ تھے کہ نقش کالحجر ہو کر بیٹھے رہتے۔ ان کا مضمون زلفِ یار کی طرح پیچ و خم کھاتا ہوا کہیں ختم نہیں ہوتا۔

تنہائی سے انہیں سخت نفرت ہے۔ غالباً اس کا تصور ابھی ان کے ہاں نہیں وہ زندگی کو بازار سمجھتے اور بازار ہی پر مرتے ہیں۔ لیکن سب سے بڑا عوامی خطیب ہونے کے باوجود عوام کو کالانعام سمجھتے ہیں۔ غالباً ان کا خیال ہے کہ رائے عامہ ہوا کی موج یا بادل کا ٹکڑا ہے۔ ان کے نزدیک رائے عامہ، نظم معریٰ، پکا راگ، برطانوی سیاست اور غلام احمد کی نبوت عجیب وغریب پہیلیاں ہیں۔

دوستوں پر غایت درجہ اعتماد کرتے ہیں، دشمنوں کو درخورِ اعتنا ہی نہیں سمجھتے۔ سیاست میں حصہ لینے کے بعد اب سیاست سے سخت متنفر ہیں۔ انہیں انتخاب کے نام سے چڑ ہے۔ غیبت کرتے نہ سنتے ہیں۔ دل کی دوستی کو دماغ کی دوستی پر ترجیح دیتے ہیں۔ چنانچہ اختلاف فکر و عمل کے علی الرغم عبدالمجید سالک، ڈاکٹر محمد دین تاثیر، سید احمد شاہ بخاری (پطرس) اور صوفی غلام مصطفیٰ تبسم کی یاری کا دم بھرتے تھے۔ مگر جس زمانہ میں مولانا ظفر علی خان ڈاکٹر شیخ محمد عالم، ڈاکٹر سیف الدین کچلو

وغیرہ سے اتحادِ فکر و عمل تھا ان سے دل کی رسم و راہ کا کوئی معاملہ نہ تھا۔

جماعت احرار سیاست میں ان کی ’’مساعی شکست انجام‘‘ کا ثمرہ ہے۔ اب تو خیر حکومت ہی نے اسے خلافِ قانون قرار دے رکھا ہے۔ لیکن ایک زمانہ میں احرار کا طوطی بولتا تھا۔ چودھری افضل حق مرحوم، مولانا مظہر علی اظہر، مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی ایسے لوگ آپ کے دست و بازو تھے۔ اب وہ سبو ٹوٹ چکا، صہبا چھلک گئی، مئے کدہ اجڑ گیا، آب خورے کے ریزوں میں تلچھٹ باقی ہے اور بقول اقبال:

بیا یک لحظہ باعاماں در آمیز
کہ خاصاں بادہ ہا خور دند و رفتند

حسن جہاں کہیں ہو ان کی کمزوری ہے، پلکوں کی سنانوں سے لے کر پھریروں کی اڑانوں تک میں وہ حسن تلاش کرتے اور اس پر مرتے ہیں وہ جذبات کے لیے جیتے اور جذبات پر مرتے ہیں۔ انہیں عمارتی حسن سے قطعاً لگاؤ نہیں۔ تاج محل کو گاندھی جی کے الفاظ میں ’’مزدوروں کی بیگار کی یادگار‘‘ کہتے ہیں۔ تمام زندگی سیر و سیاحت میں گزار دی لیکن سیر و سیاحت کے عادی نہیں۔ موٹا جھوٹا پہنتے، سادہ غذا کھاتے اور ہنسی خوشی جیتے ہیں۔ اب کچھ دنوں سے طبیعت بیمار ہے دوستوں کے بچھڑنے کا سخت رنج ہے۔ فرماتے ہیں: ’’میاں اب تو دشمن بھی شریف نہیں رہا، شریف دشمن سے لڑنے میں تو لطف آتا تھا۔‘‘

چہرۂ خوش اور آوازِ خوش ان کی طبعی خوراک ہیں۔ گو صوفی منش ہیں لیکن مزامیر کے قائل نہیں، صرف گلے کے رس سے لطف اٹھاتے ہیں۔ شعر و شاعری سے انہیں ایک گونہ دلبستگی ہے تمام اساتذہ کے چیدہ چیدہ شعر ازبر ہیں۔ ان کے با موقع استعمال میں جو خصوصیت انہیں حاصل ہے وہ کسی اور کو نہیں۔ مولانا آزاد کی طرح ان کی حافظہ کی گرہیں بھی طبیعت شگفتہ ہو تو کھلتی اور بکھرتی چلی جاتی ہیں۔ بہ قول شاعر:

وہ اپنی ذات میں اک انجمن ہیں

کبھی سرو قامت تھے۔ اب ان کا قد بھی ان کے دل کی طرح اللہ کے حضور میں جھک گیا ہے۔ چہرہ پر جھریوں کی مسجع عبارتیں، ماتھا کشادہ لیکن تفکر کی کائنات پیپائیوں سے مجروح، آنکھیں...... ایک زمانہ میں ساری مستی شراب کی سی تھی...... اب چپ چاپ، گویا کچھ سوچ رہی ہیں۔ لہجہ میں عرب شہسواروں کا بانکپن، قرآن پڑھیں تو قرنِ اوّل کا مدینۃ النبی یاد آجاتا ہے۔ شعر سنائیں تو عجمی درباروں کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد کے الفاظ میں:

’’دنیا کسی کے لیے کبھی نہیں بدل سکتی۔ تمام زندگی نصف افسانۂ امید اور نصف ماتم یاس ہے......‘‘

اب اس مرحلہ میں:

مختصر حالِ چشم و دل یہ ہے
اس کو آرام اس کو خواب نہیں

(’’نقوش‘‘ شخصیات نمبر۔ جنوری ۱۹۵۵ء۔ ص ۱۲۱۴ تا ۱۲۱۶)

ساغر اقبالی

زبان میری ہے بات اُن کی

☆فوکر طیارہ کی جائے حادثہ خرید کر' بیٹے کے ثواب کے لیئے مسجد و مدرسہ بنواؤں گی۔(والدہ پائلٹ)

کوئی بناتا ہے کوئی تاراج کرتا ہے، اپنے اپنے نصیب کی بات ہے

☆انسانی جانوں کے ضیاع پر پورا ملک افسردہ ہے۔(شوکت عزیز)

معصوم بچوں کا خون رائیگاں نہیں جائے گا

☆مشرف کو پسند کرتا ہوں۔(بش)

میرا آئیڈیل کمال اتاترک ہے۔(مشرف)

☆چیف جسٹس کیس۔کچھ کاغذات وزیر اعظم کے نوٹس کے لیے تیار کئے گئے تھے' عجلت میں عدالت میں پیش ہو گئے۔(سیکرٹری قانون)

کسی کو دیکھ کے ساقی کے ایسے ہوش اُڑے　　شراب سیخ پہ ڈالی کباب شیشے میں

☆میرے سامان کو میری امی اور ابو کے سوا کوئی نہ چھیڑے۔(کتابوں، کاپیوں، کپڑوں کے ڈھیر پر' جامعہ حفصہ کی ایک معصوم بچی کا وصیت نامہ)

ایسے ننھے فرشتوں کی ہلاکت پر حکمرانوں اور بے نظیر نے خوشی منائی

☆لال مسجد سے خودکش بیلٹس برآمد ہوئیں۔(وزیر داخلہ)

کوئی خودکش حملہ ہوا نہ بیلٹس ملیں۔(ترجمانِ وزارتِ داخلہ)

☆رُشدی کو ''سر'' کا خطاب دینے کا مقصد مسلمانوں کی دل آزاری نہیں۔(برطانیہ)

رُشدی کی دل جوئی ہے۔

☆لال مسجد سائیلنس نہیں وائیلنس آپریشن تھا

بلا تبصرہ!

☆لال مسجد انتظامیہ کے مطالبات قانون سے متصادم تھے۔(وزیر اعظم)

کوئی غلطی نہیں کی، نفاذ شریعت اور بے حیائی کا خاتمہ چاہتا تھا۔(عبدالرشید غازی شہید کی آخری گفتگو)

☆ایک تابوت میں دو' دو تین' تین لاشیں دفنائی گئیں۔خاتون' مرد کی تمیز نہیں رکھی گئی' بغیر جنازہ دفنایا گیا(ایم ایم اے، وفاق المدارس کا احتجاج)

اپنا مر مانا یاد نہیں!

☆حکومت سے ڈائیلاگ ہو رہا ہے، ڈیل نہیں۔(بے نظیر)

حالانکہ ''ڈیل'' بڑے زور شور سے بج رہا ہے اور سب کو سنائی دے رہا ہے۔

☆وفاقی وزیر اعجاز الحق سی ایم ایچ میں ایک زخمی سیکورٹی اہل کار کی عیادت کرتے ہوئے ہنس رہے ہیں۔(ایک تصویر)

☆اعجاز الحق۔ٹی وی پر لال مسجد کی تباہی کے ذکر سے رو پڑے۔

ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ　　دیتے ہیں دھوکا یہ بازی گر کھلا

حُسنِ انتقاد

تبصرہ کے لیے دو کتابوں کا آنا ضروری ہے

● **مکاتیب الکریم**　　مرتب: مولانا عبدالقیوم حقانی

ضخامت: ۳۲۱ صفحات　قیمت: درج نہیں　　ناشر: القاسم اکیڈمی جامعہ ابوہریرہ، خالق آباد نوشہرہ

شیخ التفسیر حضرت مولانا قاضی عبدالکریم کلاچوی مدظلہ دارالعلوم دیوبند کے فاضل اور اکابر علماءِ حق کی نشانیوں میں سے ہیں۔ انھوں نے جن علماء کو دیکھا، جن سے پڑھا اور فیض پایا' اُن کے کارناموں سے دنیا جگمگاتی ہے۔ حضرت مولانا عبدالکریم کلاچوی مدظلہ علم وعمل میں اپنے اساتذۂ کرام اور علماءِ حق کے سچے وارث ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں بے شمار خوبیوں سے نوازا ہے۔ اُن کی علمی وتحقیقی اور اصلاحی تحریریں ماہنامہ ''القاسم'' اور دیگر دینی رسائل وجرائد میں شائع ہو کر اہلِ ذوق کے استفادے کا باعث بنتی رہتی ہیں۔

مولانا عبدالقیوم حقانی تحقیق ومطالعہ کا خاص ذوق رکھتے ہیں۔ اُن کو یہ سعادت بھی حاصل ہے کہ وہ حضرت مولانا عبدالکریم کلاچوی دامت برکاتہم کے تلمیذِ رشید ہیں۔ ''مکاتیب الکریم'' ایک استاد کے اپنے حقانی شاگرد کے نام لکھے گئے خطوط ہیں۔ مولانا حقانی نے ان خطوط کو بڑی محبت اور خلوص کے ساتھ نہ صرف محفوظ رکھا بلکہ افادۂ عام کے لیے اب شائع بھی کر دیا ہے۔ ان مکاتیب میں آپ بیتی بھی ہے اور جگ بیتی بھی۔ اکابر کے ارشادات، فیوض وبرکات کے واقعات، علمی، ادبی، تاریخی، سیاسی اور اصلاحی مواد سے بھرپور یہ کتاب طالبانِ علم کے لیے انمول تحفہ ہے۔ یہ ماہنامہ ''القاسم'' کی گیارہویں خصوصی اشاعت ہے۔ مولانا عبدالقیوم حقانی اور ماہنامہ ''القاسم' کی مجلس ادارت اس خدمت پر مبارک باد کی مستحق ہے۔

● **محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی دل رُبا ادائیں**　　تالیف: مولانا عبدالقیوم حقانی

ضخامت: ۲۰۰ صفحات　قیمت: درج نہیں　　ناشر: القاسم اکیڈمی، جامعہ ابوہریرہ، خالق آباد، نوشہرہ

حدیث کی جلیل القدر کتاب ''شمائل ترمذی'' نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کے مبارک معمولات، عادات اور اخلاق پر مشتمل ہے۔ علماء کرام اور محدثین نے ''شمائل ترمذی'' کی شروح اپنے اپنے انداز میں لکھی ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی محبت کا اظہار کیا ہے۔

مولانا عبدالقیوم حقانی مدظلہ نے ۱۶۰۸ صفحات پر مشتمل تین جلدوں میں شرح تحریر فرمائی ہے۔ عام قاری کے استفادے کو آسان بنانے کے لیے اس کے مختلف ابواب علیحدہ علیحدہ بھی شائع کیے ہیں۔ ''محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی

دل ربا ادائیں'' اس سلسلے کی پانچویں اشاعت ہے۔ مولانا حقانی نے ''شمائل ترمذی'' کی سہل و دل نشین تشریح اکابر علماء دیوبند کے طرز پر تحریر کی ہے۔ تفصیلی درسی شرحی، لغوی تحقیق اور مستند حوالہ جات، روایت حدیث کا مستند تذکرہ اور متنازعہ مسائل پر تحقیق اس کتاب کی اہم خصوصیات ہیں۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا خوشبو استعمال فرمانا، سراپائے معطر، پسینہ مبارک سے خوشبو، اندازِ بیاں، گفتگو اور خطاب، بشاشت و تبسم، خوش طبعی و دل لگی، لطائف و ظرائف، ذوقِ شعر و ادب اور دیگر عنوانات پر ایمان افروز واقعات اس کتاب میں شامل ہیں۔ نیز ''شمائل ترمذی'' کی چھتیس احادیث کی عالمانہ و محققانہ تشریح و توضیح کی گئی ہے۔

● **صلوٰۃ وسلام**　　مرتب: ع، م چودھری

ضخامت: ۱۹۲ صفحات　قیمت: ۱۷۵ روپے

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: بے شک اللہ اور اُس کے فرشتے نبی پر صلوٰۃ بھیجتے ہیں۔ مومنو! تم بھی اُن پر صلوٰۃ اور سلام بھیجا کرو۔ (الاحزاب: ۵۶)

اللہ تعالیٰ نے تمام ایمان والوں کو یہ حکم فرمایا ہے۔ یعنی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام بھیجنے سے ہی ایمان قبول ہوگا۔ ہر مسلمان کا ایمان ہے کہ قرآن ضابطۂ اخلاق، دستور اور کتابِ ہدایت ہے۔ حدیث اس کی تشریح ہے اور سنت اس کا عملی نمونہ یعنی اسوۂ حسنہ ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کامل ایمان والوں کی جماعت ہے جنھیں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت و رفاقت اور محبت و اطاعت کے نمونۂ کامل کے طور پر چن لیا تھا۔ اسلام و ایمان کے حصول کے اصلی اور حقیقی ذرائع یہی ہیں۔ باقی جو شخص بھی اتباعِ سنت میں جتنا کامل ہوتا چلا جائے گا اتنا ہی بارگاہِ الٰہی میں مقبول ہوگا۔

حضرت کعب ابن عجرہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا: یا رسول اللہ! ہمیں آپ پر سلام عرض کرنے کا طریقہ تو معلوم ہوگیا (السلام علیک ایہا النبی) آپ پر صلوٰۃ کیسے بھیجی جائے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ پڑھو...... اور پھر درودِ ابراہیمی تعلیم فرمایا۔ یہی درود نماز میں پڑھنے کا حکم ہے اور یہ سب سے افضل درود ہے۔ رواۃِ حدیث میں کئی درود منقول ہیں جنھیں پڑھنا ثواب اور آخرت میں نجات کا ذریعہ ہے۔ بہت سے بزرگوں نے بھی اپنی اپنی زبان اور انداز میں درود پڑھے ہیں یقیناً وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا اظہار ہے لیکن جو اہمیت خود صاحبِ درود علیہ التحیۃ والتسلیم کے فرمان اور زبان مبارک کی ہے وہ کسی دوسرے کی نہیں ہوسکتی ہے۔ کتاب پانچ ابواب میں تقسیم ہے:

جواہراتِ درود شریف، روایاتِ درود شریف، حکایاتِ درود شریف، برکاتِ درود شریف انعاماتِ درود شریف۔

مرتب کتاب یقیناً سچے مسلمان ہیں اور حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کے جذبے سے بھی سرشار ہیں مگر اس موضوع پر اُن کا مطالعہ محدود ہے۔ اُن کی یہ بات محلِ نظر ہے کہ ''قرآن میں درود کا مطلق حکم ہے۔ کسی زبان، اٹھنے

بیٹھنے، کھڑے ہونے، اذان سے پہلے یا بعد میں پڑھنے کی کوئی شرط نہیں اور کسی بھی بزرگ کا لکھا ہوا درود پڑھنا سب جائز ہوگا، بدعت نہیں ہوگا۔“

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو درود خود تعلیم فرمائے۔ ان کے الفاظ میں برکت، قوت اور قبولیت یقینی ہے۔ کسی بزرگ کے الفاظ، اشعار، قصیدہ پڑھنے کی ممانعت نہیں لیکن اُسے ایمان سے مشروط کرنا درست نہیں۔ مرتب نے مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے معروف سلام کا ذکر بھی کیا ہے۔ وہ بہت اعلیٰ سلام ہے لیکن اذان سے قبل یا بعد اسے مشروط کرنا ان کی ذاتی خواہش ہے۔ خود فاضل بریلوی کے متبعین نے بھی صلوٰۃ وسلام کو اذان سے مشروط کرنے کو درست قرار نہیں دیا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں درود شریف پڑھنے کی توفیق عطاء فرمائے اور شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے ہماری مغفرت فرمائے۔ (آمین)

● **تحفظ ختم نبوت، اہمیت اور فضیلت**　　　　مرتب: محمد متین خالد

ضخامت: ۳۵۲ صفحات　قیمت: ۲۰۰ روپے　　ناشر: مرکز سراجیہ، گلی نمبر ۴، اکرم پارک، غالب مارکیٹ، گلبرگ iii لاہور

تقسیم کار: مکتبہ ختم نبوت، ۳۸ غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور

جناب محمد متین خالد، محاذِ ختم نبوت کے بہادر سپاہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں تحریر وتقریر دونوں نعمتوں سے سرفراز فرمایا ہے۔ انھوں نے اپنی تمام تر صلاحیتوں کو عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ اور ترویج واشاعت کے لیے وقف کر رکھا ہے۔

اُن کی زیر مطالعہ کتاب بھی اسی سلسلے کی ایک مضبوط کڑی ہے۔ عقیدۂ ختم نبوت کے عنوان پر اکابر علماء حق کی تحریروں، تقریروں اور مجاہدانہ کارناموں پر مشتمل واقعات اس کتاب کی زینت ہیں۔ انھوں نے سینکڑوں صفحات کے مطالعے کے بعد ایک خوبصورت انتخاب کر کے تحفظ ختم نبوت کے محاذ پر کام کرنے والے کارکنوں کی خدمت میں ایک خوبصورت اور جامع گلدستہ پیش کیا ہے۔ اس حسین تحفے کا ابتدائیہ حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحب دامت برکاتہم نے تحریر فرمایا ہے۔ جو کہ محمد متین خالد کی اس محنت پر سند ہے۔ کتاب صوری اور معنوی اعتبار سے لاجواب ہے۔

ادارہ　　　مجلس احرار اسلام پاکستان کی سرگرمیاں

اخبار الاحرار

پُرامن حل کی بجائے لال مسجد میں خون کی ہولی کھیلی گئی (قائد احرار سید عطاء المہیمن بخاری)

ملتان (۱۳؍جولائی) مجلس احرار اسلام کے زیر اہتمام ملک کے مختلف شہروں میں سانحۂ لال مسجد کے خلاف وفاق المدارس کے احتجاج کے ساتھ اظہارِ یک جہتی کیا گیا۔ مجلس احرار اسلام پاکستان کے امیر سید عطاء المہیمن بخاری نے رحیم یار خان، سیکرٹری جنرل پروفیسر خالد شبیر احمد نے چنیوٹ، ڈپٹی سیکرٹری جنرل سید محمد کفیل بخاری نے ملتان، مولانا محمد مغیرہ نے چناب نگر، میاں محمد اویس نے لاہور، مولانا منظور احمد نے چیچا وطنی، مولانا احتشام الحق اور شفیع الرحمٰن احرار نے کراچی نے کراچی میں اجتماعی اجتماعات سے خطاب کرتے ہوئے سانحۂ لال مسجد پر شدید غم اور صدمے کا اظہار کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت علماء اور حکومتی وزراء کے کامیاب مذاکرات کے نتیجے میں ہونے والے تحریری معاہدے کو صدرِ مملکت نے مسترد کیا۔ انھوں نے کہا کہ کامیاب مذاکرات کے نتیجے میں طے ہونے والے پرامن حل کو نظر انداز کر کے خون کی ہولی کھیلی گئی اور عالمی استعماری قوتوں کو خوش کیا گیا۔ انھوں نے کہا کہ جب چودھری شجاعت حسین اور اعجاز الحق آخری مذاکرات کا حصہ تھے اور انھوں نے غازی عبدالرشید شہید کے ساتھ طے شدہ معاہدے کو تسلیم کرلیا تھا تو پھر وہ کونسی پس پردہ قوت تھی؛ جس نے مذاکرات کے نتائج برآمد ہونے سے پہلے اپنا گھناؤنا کردار ادا کر کے ملک کو خانہ جنگی کے دوراہے پر لا کھڑا کیا ہے۔ احرار رہنماؤں نے اس بات پر بھی احتجاج کیا کہ ایک تابوت میں دو دو تین تین لاشیں رکھ کر انسانیت کی توہین و تذلیل کی گئی۔ شہید ہونے والوں کی نمازِ جنازہ تک نہیں پڑھی گئی اور ان کی تعداد کو بھی چھپایا گیا خاص طور پر بچوں اور خواتین کی لاشوں کو اِدھر اُدھر کیا گیا ہے۔ انھوں نے کہا کہ آخر حکومت معاشرے کو تقسیم کر کے اور مسلمانوں کو آپس میں لڑا کر کس ایجنڈے کی تکمیل کر رہی ہے؟ انہوں نے کہا کہ وطن عزیز کو عراق بنانے کے امریکی ایجنڈے کی تکمیل صدر مملکت کے ہاتھوں ہو رہی ہے۔ حکومت نے پرامن مذاکرات کے حل کو نظر انداز کر کے تشدد کا راستہ اختیار کیا۔ محبِّ وطن فوج کو متنازعہ بنایا اور عوام میں نفرت کے جذبات کو ابھارا ہے۔ قائد احرار سید عطاء المہیمن بخاری نے کہا کہ دینی قوتوں کے لیے سخت آزمائش کا وقت ہے۔ حکومت امریکی ایجنڈے کے تحت مدارس اور مساجد کے نظام کو ختم کرنا چاہتی ہے۔ تمام مسالک کے علماء اور دینی جماعتوں کے رہنماؤں کو صبر، حوصلے اور سنجیدگی کے ساتھ تعلیم و تبلیغ دین کے کام کو آگے بڑھانا ہوگا۔ اس کے لیے انتہائی دانش مندی کے ساتھ مستقبل کی منصوبہ بندی کی ضرورت ہے۔ ہمیں ملک کے آئین و قانون کے دائرے میں رہتے ہوئے اپنا دفاع کرنا ہے اور یک جان ہو کر دین کی محنت کو کامیاب کرنا ہے۔ ایک دوسرے کی ٹانگیں کھینچنے کی بجائے ایک دوسرے کا ہاتھ تھام کر قیامِ پاکستان کے مقاصد کو حاصل کرنا ہے۔ انہوں نے کہا شہداء لال مسجد کا خون ضرور رنگ لائے گا۔

انکارِ ختم نبوت پر مبنی فتنے فکری دہشت کے مرتکب ہو رہے ہیں (ڈاکٹر سعید احمد عنایت اللہ)

اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشوں کے سدِّ باب کے لیے منظّم جدوجہد کی ضرورت ہے

(عبداللطیف خالد چیمہ)

گلاسگو (۲۰/جولائی) انٹرنیشنل ختم نبوت کے مرکزی رہنما مولانا ڈاکٹر سعید احمد عنایت اللہ (مکہ مکرمہ) نے کہا ہے کہ عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ اور قادیانیت کے استیصال کے لیے برصغیر میں سب سے پہلے مجلس احرار اسلام نے امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری مرحوم اور اُن کے رفقاء کرام کی قیادت میں جس منظّم کام کا آغاز کیا تھا۔ اُسی کی بدولت منکرین ختم نبوت پوری دنیا میں ناکام و نامراد ہو رہے ہیں۔ وہ احرار ختم نبوت مشن برطانیہ کے صدر شیخ عبدالواحد کی طرف سے دیئے گئے استقبالیہ سے خطاب کر رہے تھے۔ مجلس احرار اسلام پاکستان کے سیکرٹری اطلاعات عبداللطیف خالد چیمہ نے بھی خطاب کیا۔ جب کہ مولانا عبدالرحمٰن مہدی، محمد اکرم راہی، اعجاز نسیم، شمیم احمد، مولانا عبدالواحد اور دیگر نے بھی شرکت کی۔

مولانا ڈاکٹر سعید احمد عنایت اللہ نے کہا کہ انکارِ ختم نبوت پر مبنی فتنے فکری دہشت گردی کے مرتکب ہو رہے ہیں اور قرآن و سنت اور اجماعِ امت میں تشکیک پیدا کر کے ارتداد پھیلا رہے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ یورپ میں عقیدۂ ختم نبوت کے دفاع کی اہمیت اور بڑھ گئی ہے اور اس کاز کے لیے پڑھے لکھے نوجوانوں اور جدید اسلوب سے مزیّن علماء کرام کو اپنی ذمہ داریوں کا احساس کرنا چاہیے۔

عبداللطیف خالد چیمہ نے کہا کہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ہونے والی طویل دورانیے پر مبنی سازشوں کے حقیقی ادراک اور سدِّ باب کے لیے ہمیں ٹھنڈے دل و دماغ کے ساتھ صورتحال کا جائزہ لینا چاہیے۔ انھوں نے کہا کہ عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ کے لیے عالمی سطح پر میڈیا پر دسترس اور دنیا میں شعوری لابنگ کی ضرورت ہے تاکہ آئندہ نسلوں کے ایمان کو محفوظ رکھا جا سکے۔ انھوں نے کہا کہ قادیانیوں نے جھوٹی نبوت اور خود ساختہ وحی کے ساتھ اپنے آپ کو امت مسلمہ سے الگ کر لیا لیکن اس کے باوجود اسلام کا ٹائٹل اسلامی اصطلاحات اور شعائرِ اسلامی استعمال کر کے دنیا کو دھوکہ دے رہے ہیں۔ تقریب کے شرکاء نے چیف جسٹس آف پاکستان کی بحالی اور سرکاری ریفرنس کو کالعدم قرار دینے کے فیصلے کا خیر مقدم کیا اور اسے تاریخی فیصلہ قرار دیا۔

تقریب میں ایک قرارداد کے ذریعے وکلاء کی کامیاب جدوجہد کو خراجِ تحسین پیش کیا گیا۔ قرارداد میں مزید کہا گیا کہ وطن عزیز پاکستان کے تمام تر مسائل کا حل صرف اور صرف اسلام کے بطور نظام حیات نافذ کرنے میں مضمر ہے اور آئین کے دیباچے اور قراردادِ مقاصد کی روشنی میں اس جدوجہد کو منظّم کرنے کے لیے وکلاء برادری کو اپنا کردار ادا کرنا چاہیے۔

حکومت امریکی ایجنڈے کی تکمیل کی خاطر ملک سے مدارس کو ختم کرنا چاہتی ہے

رحیم یارخان (۱۳ر جولائی) مجلس احرار اسلام رحیم یارخان کے رہنماؤں حافظ محمد اشرف ،مولانا بلال احمد ،مولانا محمد فقیر اللہ رحمانی ،حافظ عبدالرحیم نیاز، حافظ کریم اللہ لولائی ودیگر کارکنانِ احرار نے اپنے ایک بیان میں مولانا عبدالرشید غازی شہید اور دوسرے شہداء لال مسجد کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے سخت احتجاج کیا اور کہا کہ لال مسجد آپریشن میں سینکڑوں طلبہ وطالبات کی شہادت حکومت کی سراسر زیادتی ہے ۔یہ معاملہ مذاکرات سے حل ہوسکتا تھا پھر حکومت نے آپریشن کا راستہ کیوں اختیار کیا۔

احرار رہنماؤں نے کہا کہ غازی عبدالرشید اوران کے ساتھی عظیم شہداء ہیں۔جب کہ حکومت نے لال مسجد کے خلاف آپریشن کر کے یہ ثابت کر دیا ہے کہ وہ ملک میں امریکی ایجنڈے کی تکمیل کی خاطر ملک میں مدارس کو ظلم و جبر کا نشانہ بنا کر ختم کرنا چاہتی ہے۔

علماء کرام کو مساجد و مدارس کے تحفظ کے لیے عزیمت وشہادت کا راستہ اپنانا پڑے گا

(سید عطاء المہیمن بخاری)

رحیم یارخان (۱۱ر جولائی) جامعہ حفصہ اور لال مسجد آپریشن اور سینکڑوں طلباء وطالبات کی شہادت کا ذمہ دار برسراقتدار طبقہ خصوصاً جنرل پرویز ہیں۔امریکہ اسلام آباد کو اسلام سے آزاد شہر دیکھنا چاہتا ہے۔جس میں مسجد، مدرسہ اور دین کا نام نہ ہو۔جس کی تکمیل مساجد گرا کر برسرِ اقتدار طبقے نے کر دی ہے۔

ان خیالات کا اظہار مجلس احرار اسلام پاکستان کے سربراہ مولانا سید عطاء المہیمن بخاری نے دارالعلوم فاروقیہ عثمان پارک رحیم یارخان میں کارکنوں سے خطاب اور بعدازاں صحافیوں سے گفتگو کرتے ہوئے کیا۔انھوں نے کہا کہ پیپلز پارٹی کی چیئرپرسن بے نظیر بھٹو نے لال مسجد آپریشن کی حمایت کر کے امریکہ کی زبان بول رہی ہے۔پیپلز پارٹی کا فکر ونظر دین دشمنی پر مبنی ہے اور وہ پاکستان کو سیکولر اسٹیٹ بنانا چاہتی ہے۔

انھوں نے کہا کہ جامعہ حفصہ کے سلسلے میں معاہدے کی خلاف ورزی صدر پرویز مشرف نے اپنے صدارتی حکم سے کی ہے اور حکومت کا موقف غلط' جب کہ جامعہ حفصہ کے منتظمین کا موقف سراسر درست ہے۔ان کا ابتدائی رویہ قابل عمل نہ تھا لیکن آخر میں ہر بات ماننے کے باوجود حکومت نے بہت بڑا ظلم کیا ہے۔انسانی حقوق کی حق تلفی ،طلباء وطالبات کو ناجائز طور پر قتل اور مسجد کی بے حرمتی کی گئی ہے۔انھوں نے کہا کہ عوام پر فوجی طاقت کا استعمال سراسر غلط اقدام ہے۔ آئندہ زندہ رہنے کے لیے علماء کو فیصلہ کن لائحہ عمل اختیار کرنا ہے۔انھوں نے کہا کہ مساجد و مدارس کی بقا ہمارے ایمان کا حصہ اور ایمان کی علامت ہے۔

تمام مسلمان قنوت نازلہ اور دعاؤں کا اہتمام کریں: سید عطاء المہیمن بخاری

رحیم یارخان (۱۴ رجولائی) مجلس احرار اسلام پاکستان کے مرکزی امیر مولانا سید عطاء المہیمن بخاری نے کہا ہے کہ جامعہ حفصہ اور لال مسجد کا معاملہ ہمارے لیے ایک گرین سگنل اور ابتدائی ٹیسٹ کیس ہے۔تمام مسلمان اپنی مساجد میں دعاؤں کا اہتمام کریں۔ان شاء اللہ ظالم حکمرانوں کو چھپنے کی جگہ نہیں ملے گی اور انجام بدترین ہوگا۔جامعہ حفصہ کے معصوم طلباء وطالبات کا خون رنگ لائے گا۔ان شاء اللہ ان کی شہادتوں سے ایک عظیم انقلاب آئے گا۔عالمی استعمار کی شکست اور مسلمانوں فتح کے دن قریب آ رہے ہیں۔ان خیالات کا اظہار انھوں نے جامع مسجد ختم نبوت مسلم چوک رحیم یارخان میں پانچویں سالانہ اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کیا۔اس موقع پر جامعہ تعلیم القرآن سے حفظ کرنے والے طلباء کی دستار بندی بھی کی گئی۔سٹیج سیکرٹری کے فرائض جامعہ تعلیم القرآن کے مہتمم وخطیب جامع مسجد ختم نبوت حافظ عبدالرحیم نیاز چوہان نے سرانجام دیئے۔ہدیہ نعت محمد جابر نے پیش کیا جب کہ تلاوت کلامِ پاک طاہر محمود نے کی۔ صدارت ضلعی صدر مجلس احرار اسلام حافظ محمد اشرف نے کی۔اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے سید عطاء المہیمن بخاری اور حافظ عبدالرحیم نیاز چوہان نے کہا کہ امریکی ایجنڈے پر عمل کرنے والے حکمران لال قلعہ تو فتح نہ کر سکے۔البتہ لال مسجد فتح کر لی۔اجتماع میں احرار رہنماؤں مولانا محمد فقیر اللہ رحمانی،سید محمد ابراہیم شاہ بخاری،مولانا بلال احمد،مولانا حافظ کریم اللہ کے علاوہ خان پور،صادق آباد،بستی مولویان ودیگر کئی علاقوں سے احرار کارکنوں نے بڑی تعداد میں شریک ہوئے۔

روشن خیالیاں

(پروفیسر خالد شبیر احمد)

کچھ لوگ کہہ رہے ہیں کہ روشن خیال بن
مغرب کے دَر پہ جھک کے سراپا سوال بن
حق آشنا یہ کہتے ہیں اس آگ میں نہ جل
تقلید میں تو دین کی اوجِ کمال بن

اک سمت ہے جو اصل تو اک سمت نقل ہے
اک سمت ہے عقیدہ تو اک سمت عقل ہے
انگریز کی ہے راگنی روشن خیالی یہ
بے غیرتی کی بس یہی مکروہ شکل ہے

☆☆☆

روشن خیال کہتے ہیں مغرب کی سمت چل
بے غیرتی کی آگ میں ایندھن کی مثل جل
حق آشنا تو کہتے ہیں یہ بات برملا
رہ دائرۂ دین میں ' باہر نہ تُو نکل

ادارہ

مسافرانِ آخرت

حضرت مولانا محمد حسین للّٰہی رحمہ اللہ:

حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہٗ کے خلیفۂ مجاز، ممتاز محقق، عالم اور سلسلہ چشتیہ نظامیہ کی عظیم روحانی شخصیت حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حسین للّٰہی ۱۰؍ جولائی ۲۰۰۷ء کو گوجر خان میں انتقال فرما گئے۔ حضرت رائے پوری رحمتہ اللہ علیہ کے سلسلہ کے جو چند چراغ باقی ہیں۔ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ انھی میں سے ایک تھے۔ شہرت و نام وری سے کوسوں دور اور گوشۂ گمنامی میں حیاتِ مستعار گزارنے والی شخصیت تھے۔ ایک شفیق ہستی جس کے علم و فضل اور اخلاق و عمل سے سینکڑوں لوگوں نے فیض اٹھایا۔ طویل عرصہ سے علیل تھے مگر اللہ کے شاکر اور ذاکر بندے کی حیثیت سے اپنا وقت پورا کیا۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں علم اور عمل دونوں نصیحتوں سے نوازا تھا۔ انتقال سے چند روز قبل ابن امیر شریعت حضرت پیر جی سید عطاء المہیمن بخاری مدظلہ اُن کی خدمت میں تشریف لے گئے۔ مولانا محمد مغیرہ بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ حضرت نے بہت شفقت فرمائی اور دعائیں دیں۔ ۱۱؍ جولائی کو حضرت مولانا عزیز الرحمٰن ہزاروی مدظلہ نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور گوجر خان میں ہی آسودۂ خاک ہوئے۔ اللہ تعالیٰ اُن کی مغفرت فرمائے اور اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطاء فرمائے۔ (آمین)

حضرت مفتی غلام قادر رحمہ اللہ:

مدرسہ خیر العلوم خیر پور ٹامے والی کے بانی و مہتمم حضرت مفتی غلام قادر رحمتہ اللہ علیہ ۵؍ جولائی ۲۰۰۷ء کو طویل علالت کے بعد رحلت فرما گئے۔ حضرت مفتی صاحب مرحوم بقیۃ السلف میں سے تھے۔ دینی تعلیم موقوف علیہ تک مدرسہ خیر المدارس جالندھر میں حاصل کی۔ حضرت مولانا خیر محمد جالندھری نور اللہ مرقدہٗ کے چہیتے شاگرد تھے۔ دورۂ حدیث دارالعلوم دیوبند سے کیا۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہٗ، حضرت مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ اور حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاوی رحمہ اللہ جیسی ہستیوں سے حدیث شریف پڑھی۔ تقریباً نوے برس عمر پائی۔ انتہائی ذہین، بیدار مغز اور متحرک شخصیت تھے۔ تمام عمر علم دین کی تدریس میں گزاری۔ جامعہ خیر العلوم آپ کی دینی و علمی یادگار بھی ہے اور صدقۂ جاریہ بھی۔ آپ کے جانشین مولانا محمد عبداللہ خیر العلوم کے مہتمم ہیں اور حضرت مفتی صاحب مرحوم کے فیض کو جاری رکھے ہوئے ہیں۔ حضرت مفتی صاحب کی نمازِ جنازہ مولانا عبدالمجید (کہروڑ پکا) نے پڑھائی۔

- ☆ حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستی کی صاحبزادی اور مولانا سیف الرحمٰن ملی کی خوش دامن مرحومہ
- ☆ محمد ایوب مرحوم (ملتان) مدرسہ معمورہ کے طلباء محمد سلیمان اور محمد عثمان کے والد
- ☆ ہمارے کرم فرما ڈاکٹر رشید احمد یزدانی (جلال پور) کی ہمشیر مرحومہ، ۱۸؍ جولائی ۲۰۰۷ء

قارئین سے درخواست ہے کہ تمام مرحومین کے لیے ایصالِ ثواب اور دعاء مغفرت کا اہتمام فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ سب کی مغفرت اور پسماندگان کو صبر جمیل عطاء فرمائے۔ (آمین)

بیاد: مجدد بنی ہاشم سید نا عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ ——— امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ

مدرسہ معمورہ

بانی

سید عطاء المحسن بخاری رحمۃ اللہ علیہ

قائم شدہ

28 نومبر 1961ء

دار بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان

الحمد للہ

مدرسہ معمورہ اپنے تعلیمی و فکری سفر پر گامزن ہے اور تسلسل کے ساتھ ترقی کر رہا ہے۔ طلباء کے لیے مدرسہ معمورہ اور طالبات کے لیے جامعہ بستانِ عائشہ میں حفظ و ناظرہ قرآن، درسِ نظامی اور پرائمری و مڈل شعبوں میں تعلیم جاری ہے۔

- دار القرآن
- دار الحدیث
- دار المطالعہ
- دار الاقامہ

کی تعمیر میں حصہ لیں

طلباء کی درس گاہوں، رہائش، دفتر اور لائبریری کے لیے 24 کمروں پر مشتمل دو منزلہ عمارت کی تعمیر شروع کی جا رہی ہے۔ لاگت فی کمرہ دو لاکھ پچاس ہزار روپے ہے۔ صدقہ جاریہ میں حصہ لیں اور نقد و سامانِ تعمیر دونوں صورتوں میں تعاون فرما کر اجر حاصل کریں۔

ترسیل زر

بذریعہ بینک: چیک یا ڈرافٹ بنام سید محمد کفیل بخاری مدرسہ معمورہ

کرنٹ اکاؤنٹ نمبر 2-3017 یو بی ایل کچہری روڈ ملتان

بذریعہ آن لائن: 2-3017-010 بینک کوڈ: 0165

رابطہ

061 - 4511961

0300-6326621

majlisahrar@yahoo.com

majlisahrar@hotmail.com

الداعی الی الخیر

ابن امیر شریعت سید عطاء المہیمن بخاری

امیر

مجلس احرار اسلام

پاکستان

بیاد: مجددِ بنی ہاشم سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ ــــ امیرِ شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ

مدرسہ معمورہ

بانی

سید عطاء المحسن بخاری رحمۃ اللہ علیہ

قائم شدہ

28 نومبر 1961ء

دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان

○ دار القرآن
○ دار الحدیث
○ دار المطالعہ
○ دار الاقامہ

کی تعمیر میں حصہ لیں

الحمد للہ

مدرسہ معمورہ اپنے تعلیمی و فکری سفر پر گامزن ہے اور تسلسل کے ساتھ ترقی کر رہا ہے۔ طلباء کے لیے مدرسہ معمورہ اور طالبات کے لیے جامعہ بستانِ عائشہ میں حفظ و ناظرہ قرآن، درسِ نظامی اور پرائمری و مڈل شعبوں میں تعلیم جاری ہے۔

طلباء کی درس گاہوں، رہائش، دفتر اور لائبریری کے لیے 24 کمروں پر مشتمل دو منزلہ عمارت کی تعمیر شروع کی جارہی ہے۔ لاگت فی کمرہ دو لاکھ پچاس ہزار روپے ہے۔ صدقہ جاریہ میں حصہ لیں اور نقد و سامانِ تعمیر دونوں صورتوں میں تعاون فرما کر اجر حاصل کریں۔

رابطہ

061 - 4511961
0300-6326621
majlisahrar@yahoo.com
majlisahrar@hotmail.com

ترسیلِ زر

بذریعہ بینک: چیک یا ڈرافٹ بنام سید محمد کفیل بخاری مدرسہ معمورہ
کرنٹ اکاؤنٹ نمبر 2-3017 یو بی ایل کچہری روڈ ملتان
بذریعہ آن لائن: 2-3017-010 بینک کوڈ: 0165

الداعی الی الخیر

ابن امیر شریعت سید عطاء المہیمن بخاری

امیر
مجلس احرار اسلام
پاکستان

تحریک تحفظ ختم نبوۃ شعبہ تبلیغ مجلس احرار اسلام پاکستان کے زیر اہتمام

ختم نبوت کورس

یکم تا 15 شعبان 1428ھ 16 تا 30 اگست 2007ء

زیر سرپرستی

ابن امیر شریعت حضرت پیر جی سید عطاء المہیمن بخاری

(محاضراتِ ختم نبوت)

دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان

مدرسین

- پروفیسر خالد شبیر احمد
- مولانا مجاہد الحسینی
- مولانا ابوریحان سیالکوٹی
- خواجہ ابوالکلام صدیقی
- مولانا محمد مغیرہ
- مولانا بشیر احمد حسینی
- مولانا مشتاق احمد
- عبداللطیف خالد چیمہ
- سید محمد کفیل بخاری
- سید محمد معاویہ بخاری
- مولانا محمد ازہر
- حافظ عابد مسعود ڈوگر

عنوانات

1 - عقیدۂ ختم نبوت قرآن وحدیث کی روشنی میں
2 - حیات سیدنا عیسیٰ علیہ السلام
3 - انکارِ ختم نبوت پرمبنی فتنوں کی تاریخ
4 - ردّ قادیانیت پر بحث ومکالمہ کا طریقۂ کار
5 - عقیدۂ ختم نبوت اور قادیانیت
6 - آئین سے متصادم قادیانی سرگرمیاں
7 - قادیانی سازشیں اور ان کا توڑ
8 - انکارِ ختم نبوت کی نئی شکلیں (فتنۂ اہل قرآن، فتنۂ انکارِ حدیث، سوشل ازم، جمہوریت، نظریۂ امامت)
9 - تعارف وتاریخ مجلس احرار اسلام
10 - انسانی حقوق اور غیر مسلم اقلیتیں
11 - احرار اور محاسبۂ قادیانیت
12 - اسلام، مغرب اور انسانی حقوق
13 - عیسائی عقائد/ اسلام اور عیسائیت کا تقابلی جائزہ
14 - تحفظ ختم نبوت اور اسوۂ اکابر

ذیلی عنوانات

1 - عقیدۂ توحید وختم نبوت کا باہمی ربط
2 - ختم نبوت از روئے قرآن وحدیث وفقہ
3 - ختم نبوت ونزولِ عیسیٰ وظہور مہدی علیہما السلام کی اعتقادی حیثیت کی تشریح
4 - ضرورت ختم رسالت وعدم اجراء نبوت
5 - عقیدۂ ختم نبوت کے مسلّم ہونے کے باوجود ادعاء نبوت واجراء نبوت کے عقیدہ کی شرعی حیثیت
6 - اسلام میں مرتدین کی حیثیت (کفر وارتداد میں فرق)
7 - ختم نبوت کا مدار ایمانیات ہونا
8 - عقیدۂ ختم نبوت ونبوت عیسیٰ علیہ السلام کا باہمی تعلق
9 - عقیدۂ ختم نبوت پر اجماع امت کی حقیقت

شرائط

1 - دینی مدارس کے درجہ ثالثہ اور اس سے اوپر کے درجات کے طلباء
2 - دیگر تعلیمی اداروں کے کم از کم میٹرک پاس اور اس سے اوپر کے طلباء
3 - 20 رجب سے 30 تک داخلہ ہوگا۔ سادہ کاغذ پر درخواست مع فوٹوسٹیٹ شناختی کارڈ
4 - رہائش وخوراک کا انتظام ادارہ کے ذمہ ہوگا۔ تاہم موسم کے مطابق بستر ہمراہ لائیں۔
5 - سو فیصد حاضری اور بہتر استعداد والے طلباء کو انعامات دیئے جائیں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

رابطہ

ملتان: 061-4511961-0300-6326621 چیچہ وطنی: 040-5482253-0300-6939453
چناب نگر: 047-6211523 لاہور: 042-5865465

یوم تحفظ ختم نبوت کے مبارک موقع پر

سالانہ تحفظ ختم نبوت کانفرنس لاہور

توحید و ختم نبوت
کے علمبردارو
ایک ہو جاؤ!
(سید ابوذر بخاریؒ)

7 ستمبر 2007ء جمعۃ المبارک بعد نماز مغرب

دفتر احرار 69/c حسین سٹریٹ وحدت روڈ نیو مسلم ٹاؤن لاہور

زیر صدارت

قائدِ احرار حضرت پیر جی سید عطاء المہیمن بخاری مدظلہ

مقررین

شیخ الحدیث مفتی حمید اللہ جان مدظلہ (جامعہ اشرفیہ لاہور)

شیخ الحدیث مولانا عبد المالک مدظلہ (اتحاد العلماء پاکستان)

پروفیسر خالد شبیر احمد (سیکرٹری جنرل مجلس احرار اسلام پاکستان)

جناب امیر حمزہ (جماعت الدعوۃ پاکستان)

مولانا محمد امجد خان (جمعیت علماء اسلام)

حضرت مولانا مجاہد الحسینی مدظلہ

مولانا سیف الدین سیف (جمعیت علماء اسلام)

عبد اللطیف خالد چیمہ (مجلس احرار اسلام پاکستان

سید محمد کفیل بخاری (مجلس احرار اسلام پاکستان)

شاعرِ ختم نبوت سید سلمان گیلانی (نظم)

شعبہ نشر و اشاعت

تحریک تحفظ ختم نبوت (شعبۂ تبلیغ) مجلس احرار اسلام لاہور

رابطہ لاہور: 042-5865465 ملتان: 061-4511961 چیچہ وطنی: 040-5485953 چناب نگر: 047-6211523

Designed by 0321-6358191